کتاب گھر کی پیشکش
http://www.kitaabghar.com

دلیری اور ذہانت کی علامت میجر پرمود کی ہنگامہ خیز داستان

وطن پرست

ایچ اقبال

پبلشرز : ادارہ کتاب گھر
کمپوزنگ : MAK کمپوزرز، ٹاؤن شپ، لاہور

پیش لفظ

ادارہ کتاب گھرhttp://www.kitaabghar.com جنوری ۲۰۰۲ء میں قائم کیا گیا تھا، اور ادارہ کتاب گھر نے نئی نسل کو کتابیں پڑھنے کی طرف راغب کرنے کے لئے مفت کتابوں (e-books) کی فراہمی کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتدا میں وسائل کی کمیابی اور وقت کی کمی کے باعث یہ سلسلہ ذرا سست رہا، لیکن اب الحمداللہ بے شمار لوگ ہم سے رابطہ کر رہے ہیں اپنی تصانیف کتاب گھر میں بھجوانے کے لئے اور اس کے لئے ہم ان حضرات کے مشکور ہیں کہ وہ اس کارخیر میں ہمارے ساتھی بنے۔ کتاب گھر پر موجود کتابوں کی افادیت سے کسی کو بھی انکار نہیں، لیکن ہمارے بہت سے قارئین کا اصرار تھا کہ تنقید نگاری اور تجریدی ادب کے ساتھ ساتھ دلچسپ، عام فہم اور مشہور و معروف ادیبوں، مصنفین اور شعراء کرام کی کتابیں بھی آن لائن کی جائیں۔

میجر پرمود کا پہلا کارنامہ "جزیرے پر دھماکہ" پیش کرتے ہوئے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جاسوسی ادب کے اس معروف اور پسندیدہ کردار کے کچھ اور کارنامے پیش کئے جائیں گے۔ اسی وعدے کا پاس رکھتے ہوئے ناول "وطن پرست" حاضر ہے۔

لالچ، مفاد پرستی اور ذاتی فائدے کے لیے انسان کس حد تک گر سکتا ہے، اسکی ایک جھلک اس ناول میں آپ کو ملے گی۔ کرسی (حکومت) کے لیے وطن پرستی کا دعویٰ کرنے والے لالچی بے ضمیر لوگ وطن سے بھی غداری پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ملک میں جہاں ایسے غداروں کی افراط ہے، وہیں وطن پرستوں کی بھی کمی نہیں۔ یہ کہانی ایسے ہی وطن فروشوں اور وطن پرستوں کے گرد گھومتی ہے۔ ایک طالب علم لڑکے اور اسکی منگیتر کی وطن کو بچانے کی کوششوں کا احوال جو اپنے ہی خاندان کے وطن فروشوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ وطن کی حفاظت صرف اداروں کا ہی کام نہیں بلکہ یہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔ اسی کا سبق دیتی ہوئی یہ کہانی یقینا آپ کو پسند آئے گی۔

ادارہ کتاب گھر آپ کے لئے اردو جاسوسی ادب کی مزید کتابیں پیش کرے گا انشاءاللہ۔ آپ اگر اپنی کوئی پسندیدہ کتاب "کتاب گھر" پر دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ای میل کیجئے یا آپ اپنی کتابوں کی کمپوزنگ بھی بھیج سکتے ہیں اگر وہ کتاب گھر کے معیار پر پوری اتری تو ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ آن لائن کریںگے۔ ہمیں آپ کی آرا، تنقید اور مشوروں کا انتظار رہے گا۔

حسن علی خان

ادارہ کتاب گھر

ٹیبل لیمپ کے گرد کچھ اس قسم کا شیڈ لگا ہوا تھا کہ اس کی روشنی صرف میز پر کھلی ہوئی کتاب پر پڑ رہی تھی۔ یہ بی، اے کے کورس کی کتاب تھی۔ جمال اس کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا۔ گو کہ جنگ چھڑنے کی وجہ سے تمام تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت تک کے لیے بند ہو گئے تھے لیکن جمال کی دانست میں ان اداروں کے بند ہو جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ طالب علم اپنی تعلیم کو بھول جائیں۔ جمال کو وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ اچھی طرح تھا اس لیے چھٹیاں اس کے نزدیک محض تفریح کا نام ہرگز نہیں تھیں اور پھر یہ چھٹیاں جو ہنگامی حالات کے تحت ہوئی تھیں، تفریح کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ ملک اس وقت آزمائش کے دور سے گزر رہا تھا۔ قوم ایک امتحان سے گزر رہی تھی۔ راجیشیا کی فوجوں کی یلغار جاری تھی اور بلگارنیہ کے جانباز اپنے وطن کی بقا اور سالمیت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ ایسی صورت میں تفریح کا خیال بھی کرنا ملک و قوم سے غداری کے مترادف ہوتا۔ جمال کو ان لوگوں سے بھی اختلاف تھا جو ہوٹلوں میں بیٹھ کر، جنگ پر گفتگو کرنے میں سارا سارا دن گزار دیتے تھے گو کہ ان سب میں حب الوطنی کا جذبہ موجود تھا لیکن بہر حال ان لوگوں کی یہ جوشیلی باتیں وقت کا صحیح مصرف نہیں تھیں۔ اس طرح وقت ضائع ہوتا تھا جبکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ٹھوس کام کیا جائے، ٹھوس قدم اٹھائے جائیں جو کام جس کا فرض ہو وہ اسے ادا کرتا رہے۔

اور بے شمار نوجوانوں کی طرح جمال نے بھی فوج کے لیے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور اب اسے اس وقت کا انتظار تھا جب اسے طلب کر کے محاذ پر بھیجا جاتا لیکن اس انتظار میں وہ وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا تھا۔ تعلیم کا حصول اس کا فرض تھا چنانچہ وہ اس طرف سے غافل نہیں ہوا۔ گو کہ اب امتحانات ہونے کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا اس لیے جمال کو بی، اے کی ڈگری بھی نہیں ملتی لیکن عام نوجوانوں کی طرح وہ محض ڈگری حاصل کرنے کے لیے نہیں پڑھ رہا تھا۔ اس کا مقصد اپنی قابلیت میں اضافہ کرنا تھا۔

وہ ساڑھے بارہ بجے تک پڑھتا رہا۔ دیوار گیر کلاک کی ہلکی سی "ٹن" نے اسے چونکا دیا تو اسنے کتاب بند کر دی۔ میز کی دراز کھول کر اس میں سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالا۔ سگریٹ نوشی کو ایک نقصان دہ عادت کے علاوہ اگر عیب بھی کہا جا سکے تو جمال میں صرف یہی ایک عیب تھا ورنہ اس کے کالج کے تمام اساتذہ اسے ایک باکردار طالب علم کی حیثیت سے جانتے تھے۔

سگریٹ سلگا کر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔ بار بار وہ دیوار گیر کلاک کی طرف بھی دیکھتا تھا۔ اسی طرح ٹہلتے ہوئے اس نے تین سگریٹ پھونک ڈالے۔ بارہ بج کر پچپن منٹ پر اس نے میز کے قریب پہنچ کر تیسری سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی اور تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے نکلا۔ اسی طرح چلتا ہوا وہ زینوں تک پہنچا اور ایک ایک چھلانگ میں کئی کئی زینے طے کرتا ہوا اوپر پہنچا۔ اب وہ بنگلے کی چھت پر تھا۔

یہ فیشن ایبل اور خوب صورت کالونی تھی لیکن اس وقت اس کی تمام خوب صورتی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فضائی حملے کے پیش نظر کسی بھی عمارت سے روشنی نہیں پھوٹ رہی تھی۔ جمال چھت کی مغربی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ چھت کی دیواریں زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ جمال دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ اب اس کا سر دیوار سے اوپر نکلا ہوا تھا۔ وہ سامنے والے بنگلے کی طرف دیکھنے لگا۔ تمام عمارتوں کی طرح وہ بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جمال نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ریڈیم سوئیاں ایک بجنے میں ایک منٹ کا اعلان کر رہی تھیں۔ اب جمال کی نظر درمیانی سڑک پر بائیں جانب پھیلتی چلی گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آج کی رات کچھ زیادہ ہی سیاہ تھی۔ اتنا اندھیرا جنگ کی سابقہ راتوں میں کبھی نہیں رہا تھا۔ اگر مطلع ابر آلود نہ ہوتا تو اتنی تاریکی نہ ہوتی۔

آخر جمال نے ایک کار دیکھ ہی لی جو تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس پر رنگ چڑھا ہوا تھا تاکہ روشنی پھیل نہ سکے۔ قریب آتے آتے اس کی رفتار بہت کم ہو گئی اور بالکل قریب آ جانے کے بعد تو وہ جیسے رینگنے ہی لگی۔ جمال پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ کار کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اس سے اتر کر تیزی سے لپکتا ہوا سامنے والے بنگلے کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ اس کے اترتے ہی کار کا دروازہ بند ہوا تھا اور یکلخت اس کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ وہ چشم زدن میں نظر سے اوجھل ہو گئی۔

جمال نے ایک طویل سانس لیا اور پھر بائیں جانب اس طرف دیکھنے لگا جدھر سے وہ کار آئی تھی۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد ایک اور کار دکھائی دی۔ قریب آتے آتے اس کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ اس میں سے بھی ایک آدمی اتر کر سامنے والے بنگلے میں چلا گیا اور پھر وہ کار بھی فراٹے بھرتی ہوئی غائب ہو گئی۔

جمال نے ہونٹ بھینچ لیے۔ یہ کھیل دیکھتے ہوئے آج اسے تیسری رات تھی۔ پہلی مرتبہ یہ کھیل اس نے پرسوں رات دیکھا تھا۔ یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ پرسوں رات اس کی طبیعت پر کچھ گرانی سی تھی جسے دور کرنے کے لیے وہ چہل قدمی کی سوچ کر چھت پر آیا تھا۔ اس رات سب کچھ پہلی مرتبہ اس کی نظر میں آیا۔ اس وقت اس نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی لیکن دوسری رات اس کے ذہن میں یہ خیال کلبلایا کہ چل کر دیکھنا چاہیے ، کیا آج رات بھی ویسا ہی ہوگا اور اس نے دیکھا کہ پھر ویسا ہی ہوا تھا۔ پہلی کار ٹھیک ایک بجے آئی تھی اور دوسری ایک بج کر پانچ منٹ پر -دونوں کاروں سے ایک ایک آدمی اتر کر سامنے والے بنگلے میں داخل ہوا تھا اور کاریں انہیں اتار کر غائب ہو گئی تھیں۔

جمال الجھن میں وہاں بیٹھا ہی رہ گیا تھا اور پھر ایک دوسری بات بھی اس کی نظر میں آئی تھی۔ دو بجے وہ دونوں کاریں پانچ پانچ منٹ کے وقفے سے واپس آئی تھیں اور ان دونوں آدمیوں کو لے کر چلی گئی تھیں۔

اور آج رات پھر ویسا ہی ہوا تھا۔

دوسرے دن جب جمال کی محبوبہ فوزیہ اس سے ملنے آئی تو جمال نے اسے اپنے خدشات سے آگاہ کیا کہ وہ راجیشیائی جاسوس بھی ہو سکتے تھے۔ جمال نے فوزیہ کو سب کچھ بتا دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ واقعہ سامنے والے بنگلے سے تعلق رکھتا تھا۔ جمال اس سلسلے میں پولیس کو مطلع کرنے کی بجائے خود یہ معما حل کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور پرمود چونک پڑا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور تھکے تھکے سے لہجے میں بولا ''پرمود بول رہا ہے''

''میجر پرمود!'' ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

پرمود فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا کیونکہ وہ آواز اس کے سیکشن انچارج کرنل ڈی کی تھی۔ اس نے کہا''فرمایئے جناب!''

''ہمارے محکمے کو تین غیر ملکیوں کے بارے میں بڑی سنسنی خیز اطلاعات ملی ہیں، شبہہ یہ ہے کہ وہ تینوں راجیشیائی جاسوس ہیں تمہیں معلوم کرنا ہے کہ یہ شبہہ درست ہے یا نہیں تم یہ بھی دیکھو گے کہ اگر وہ واقعی راجیشیائی جاسوس ہیں تو یہاں کس قسم کی سرگرمی میں مصروف ہیں۔ اس کیس کا فائل تمہیں اپنی میز کی دراز میں ملے گا''

''بہت بہتر جناب''

''مجھے توقع ہے کہ تم جلد ہی ان تینوں کا بندوبست کر سکو گے۔ تم میری توقعات پر ہمیشہ پورے اترے ہو۔ میرے سیکشن کا کوئی آدمی تمہاری برابری نہیں کر سکتا''

''آپ کی ذرہ نوازی ہے جناب''

دوسری طرف سے مدھم سے ہنسی سنائی دی اور پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔

پرمود نے اپنی میز کی نچلی دراز کھولی۔ کرنل ڈی کے مفصل احکامات ہمیشہ اسی دراز سے ملا کرتے تھے۔

پرمود نے فائل نکال کر میز پر رکھ لی، دراز بند کی اور فائل کھول کر دیکھنے سے قبل سگریٹ نکال کر جلائی۔ وہ آدھے گھنٹے تک فائل دیکھتا رہا۔ فائل کے مطالعے سے اسے پتا چلا کہ وہ تینوں غیر ملکی جنگ چھڑنے سے کئی دن پہلے یہاں آئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ابن حکیم تھا۔ وہ بلگارنیہ کے ایک پڑوسی ملک کرجستان کے ایک بڑے اخبار کا نمائندہ تھا۔ اس کے علاوہ برائن اور کاڈرائے مون لینڈ سے آئے تھے۔ ان دونوں کا تعلق مون لینڈ کی ایک بہت بڑی تجارتی فرم سے تھا۔ وہ دونوں یہاں اس لیے آئے تھے کہ اپنی فرم کی ساختہ اشیا کی مارکیٹ بنائیں۔

''ابن حکیم، برائن، کاڈرائے!'' پرمود نے بڑبڑا کر فائل بند کر دی۔

اب پرمود کو مشین کی سی تیز رفتاری سے حرکت میں آجانا تھا۔

☆☆☆

فوزیہ جمال سے مل کر گئی تو اس کے کالج کا ایک دوست نواب چھٹن اس سے ملنے آگیا۔ اس وقت جمال اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

''مجھے پتا چلا ہے کہ میری کالونی کے ایک بنگلے میں کچھ غیر ملکی جاسوسوں کی سرگرمیاں جاری ہیں''

''ارے باپ رے''

''میں ان لوگوں کو ثبوت کے ساتھ گرفتار کرانا چاہتا ہوں''

''اللہ تمہاری مغفرت کرے'' نواب چھٹن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''فضول باتیں مت کرو'' جمال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''ہمیں یہ کام بڑی احتیاط اور رازداری سے کرنا ہوگا''

''اچھا تو جیسا تم کہو میں کرنے کے لیے تیار ہوں''

'' پہلے میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مجھے ان لوگوں کا پتا کیسے چلا''

''ضرور بتاؤ'' نواب چھٹن بولا۔

جمال نے سگریٹ نکال کر جلائی اور چھٹن کو سارا واقعہ اسی انداز میں بتانا شروع کیا جس انداز میں فوزیہ کو بتا چکا تھا۔

جب وہ سب بتا چکا تو نواب چھٹن نے پوچھا ''اور وہ بنگلا کون سا ہے۔''

''تم سن کر اچھل پڑو گے''

''نہیں اچھلوں گا۔ میں مضبوطی سے صوفہ پکڑے لیتا ہوں۔ تم بتاؤ''

''وہی بنگلا جو میرے بنگلے کے بالکل سامنے ہے''

''ہائیں!'' نواب چھٹن سچ مچ اچھل پڑا اور حیرت سے منہ پھاڑ کر جمال کی طرف دیکھنے لگا۔

جمال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

''یہ تم کہہ رہے ہو یار'' نواب چھٹن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''وہ تو فوزیہ کے باپ کا بنگلا ہے نا!''

''ہاں'' جمال نے کہا ''اور اگر میرا شبہ درست ثابت ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فوزیہ کے والد اصفہانی شاہ ان جاسوسوں سے ملے

ہوئے ہیں''

''کیا فوزیہ اس کے بارے میں جانتی ہوگی۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ اس سے بے خبر ہے۔ آج صبح وہ میرے پاس آئی تھی۔ میں نے اسے بھی یہ واقعہ بتایا تھا لیکن یہ بات نہیں ظاہر کی تھی کہ اس واقعے کا تعلق اس کے بنگلے سے ہے۔ یہ واقعہ بتاتے ہوئے میں بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ اگر وہ اپنے بنگلے میں آنے والے ان آدمیوں سے واقف ہوتی تو میری باتوں پر چونک پڑتی۔ اسی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ اپنے باپ کے کرتوت سے بے خبر ہے۔

☆☆☆

ابن حکیم، برائن اور کاڈرائے کے بارے میں اطلاع، بلگارنیہ ہی کے جاسوسوں نے دی تھی جو کرجستان اور مون لینڈ میں متعین تھے۔ انہیں کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئی تھیں جن کی وجہ سے شبہہ ہوا تھا کہ ابن حکیم، برائن اور کاڈرائے جاسوسی کی غرض سے بلگارنیہ پہنچے ہیں اور غالباً وہ راجیشیا کے لیے کام کریں گے۔

یہ اطلاع ملتے ہی بلگارنوی سیکرٹ سروس کے چیف نے 'آئی سیکشن' کے لیے احکامات جاری کر دیے تھے۔ متذکرہ سیکشن کا کام صرف یہ تھا کہ وہ ان آدمیوں کے بارے میں ان کے ظاہری حالات کی مکمل رپورٹ مرتب کرے۔

اس کے ساتھ ہی سیکرٹ سروس کے چیف نے 'ایس سیکشن' کے لیے بھی احکامات جاری کیے تھے۔ اس سیکشن کے آدمیوں کا کام صرف یہ تھا کہ انہیں جن آدمیوں کے بارے میں ہدایات ملیں ان کی نگرانی کرتے رہیں اور ان کی مصروفیات کی رپورٹ مرتب کرتے رہیں۔ ان لوگوں کے اختیارات بہت محدود تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اختیارات تھے ہی نہیں۔ ان کا کام صرف حکم کی تعمیل تھا۔ وہ صرف نگرانی کرتے تھے۔ وہ لوگ جن کی نگرانی کی جا رہی ہو اگر کسی کو قتل بھی کر دیتے تو اس سیکشن کو دخل اندازی کا اختیار نہیں تھا۔ وہ بس صرف اتنا کر سکتے تھے کہ قتل کی اطلاع اپنے انچارج کو دے دیتے اور وہ اطلاع چیف تک پہنچا دی جاتی۔

''آئی سیکشن'' کو انتہائی برق رفتاری سے کام کرنا پڑتا تھا چنانچہ آج دو گھنٹے کے اندر اندر ابن حکیم، برائن اور کاڈرائے کے بارے میں ان کے ظاہری حالات کی مفصل رپورٹ مرتب ہو کر چیف تک پہنچ گئی تھی۔ چیف نے وہ فائل 'ڈی سیکشن' کو دے دی تھی اور پھر کرنل ڈی سے وہ فائل میجر پرمود تک پہنچ سکی تھی۔

''ایس سیکشن'' کے تینوں آدمی برابر ابن حکیم، کاڈرائے اور برائن کی نگرانی کر رہے تھے اور اب انہیں یہ حکم بھی مل چکا تھا کہ اب وہ ہر بات کی اطلاع اپنے ٹو زیرو ایم کے ٹرانسمیٹروں پر ڈی، فورٹین کو دیں گے۔

اب یہ پرمود کی مرضی تھی کہ وہ ایس سیکشن کے ان تینوں آدمیوں سے بدستور کام لیتا رہتا یا انہیں معاملات سے الگ کر کے خود ہی سب کچھ دیکھتا۔

تنہا کام کرنا پرمود کی فطرت تھی لیکن اس نے کم از کم اسی دن ایس سیکشن کے آدمیوں کو چھٹی نہیں دی کیونکہ اس دن وہ خود بھی برائن، کاڈرائے اور ابن حکیم کے بارے میں چھان بین کرتا رہا تھا۔ اس کی فطرت ہی ایسی تھی کہ وہ دوسروں کے کام سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوتا تھا اس لیے آئی سیکشن، کی مرتب کی ہوئی مفصل رپورٹ بھی اس کے لیے تسلی بخش ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی رات کو پرمود نے ٹرانسمیٹر پر ایس سیکشن کے ایک آدمی کا پیغام وصول کیا۔

پیغام یہ تھا کہ برائن ایک کار میں فیڈرل کالونی کے بنگلے میں پہنچا ہے۔ پیغام کے مطابق وہ کار اس بنگلے کے سامنے آہستہ ہوگئی تھی۔ پھر جیسے ہی برائن اترا وہ تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ برائن بنگلے میں چلا گیا تھا۔

''بنگلے کا نمبر کیا ہے۔'' پرمود نے پوچھا ''اوور''

''نمبر دیکھنے کے لیے مجھے اس کے قریب جانا ہوگا اوور''

''نمبر معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر نام کی پلیٹ بھی دیکھ سکو تو اچھا ہے۔ احتیاط سے قریب جاؤ، میں تمہارے دوسرے پیغام کا انتظار کر رہا ہوں، اوور اینڈ آل''

کچھ دیر بعد ٹرانسمیٹر پر پھر کال آ گئی۔ دوسری طرف سے بنگلے کا نمبر بتانے کے بعد کہا گیا تھا کہ اس پر اصفہانی شاہ کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔

'' نگرانی جاری رکھو، اوور اینڈ آل'' پرمود نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے ذرا ہی دیر بعد ایک بار پھر ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس کا سوئچ آن کرنے پر آواز آئی۔

''ہیلو ڈی فورٹین... ایس فائیو کالنگ'' ایس فائیو، ایس سیکشن کے اس آدمی کا نمبر تھا جس کے سپرد ابن حکیم کی نگرانی تھی۔

''ڈی، فورٹین بول رہا ہے اوور'' پرمود نے کہا۔

''جناب میں ابن حکیم کا تعاقب کرتا ہوا ابھی ابھی فیڈرل کالونی پہنچا ہوں''

فیڈرل کالونی کا نام سن کر پرمود چونک پڑا۔

ایس فائیو کہہ رہا تھا ''وہ یہاں کے ایک بنگلے میں داخل ہوا ہے۔ بنگلے کے سامنے پہنچ کر کار کی رفتار بہت کم ہوگئی تھی۔ شاید وہ دو تین سیکنڈ کے لیے رکی ہو۔ اسی قلیل سے وقفے میں ابن حکیم اس سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا بنگلے میں داخل ہوگیا تھا اور پھر وہ کار تیزی سے بڑھ گئی تھی اوور''

پرمود کا ذہن اس وقت بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے سوچا معلوم ہوتا ہے، اس بنگلے میں ان لوگوں کا کوئی اجتماع ہو رہا ہے۔ شاید کا ڈرائے بھی وہاں پہنچنے والا ہو۔

''سنو نمبر فائیو!'' پرمود نے کہا ''تم اب وہاں صرف دس منٹ رکو گے۔ اگر دس منٹ میں ابن حکیم وہاں سے نکلے تو اس کی نگرانی شروع کر دینا ورنہ پھر تمہاری ضرورت پڑی تو پھر کال کر لوں گا، اوور اینڈ آل''

پرمود نے جلدی سے سلسلہ منقطع کیا اور پھر نمبر اکتالیس سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ نمبر اکتالیس وہ آدمی تھا جس کے سپرد برائن کی نگرانی تھی۔ پرمود نے اسے بھی صرف دس منٹ رکنے کی ہدایت کی اور رابطہ منقطع کر کے ٹو زیرو ایم کا چھوٹا سا ٹرانسمیٹر اپنی جیب میں رکھتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

پرمود کی فوسٹر برق رفتاری سے راستہ طے کرنے لگی۔ چھ منٹ میں پرمود کی کار فیڈرل کالونی پہنچ گئی۔ پرمود نے اسے ایک ایسی جگہ روکا جہاں پیٹرولنگ پولیس کی نظر بھی نہ پڑتی۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے پوری کالونی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کسی طرف روشنی کی ہلکی سی کرن بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پرمود نے بڑی تیزی سے اپنا سوٹ اتار کر کار میں ڈال دیا۔ سوٹ کے نیچے اس کا وہ مخصوص لباس موجود تھا جو صرف ڈی، ایجنٹ استعمال کرتے تھے، جسم سے چپکا ہوا سیاہ لباس۔

اب پرمود اندھیرے کی پناہ میں تیزی سے چلتا ہوا کالونی کے اس حصے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اصفہانی شاہ کا بنگلا تھا۔ اصفہانی شاہ کا نام پرمود کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ بلگارنیہ کے پڑھے لکھے طبقے کا تو شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جو اس نام سے واقف نہ ہو۔ اصفہانی شاہ دس سال پہلے

بلگارنیہ کا وزیراعظم رہ چکا تھا لیکن حد سے زیادہ بدعنوانیوں کی وجہ سے اس کی وزارت ٹوٹ گئی تھی اور وہ خود بھی اقتدار حاصل کرنا چاہا مگر ناکام رہا تھا۔ اب اس کی حیثیت بس ایک تاجر کی سی رہ گئی تھی۔ ملک کے شمال مشرقی علاقے میں ایک وسیع جنگل اس کی ملکیت تھا جہاں قیمتی لکڑی کے درخت تھے۔ یہ وسیع وعریض جنگل کوہ شرجیل کے دامن میں پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل سے قیمتی لکڑی کے علاوہ گوند بھی حاصل ہوتا تھا۔

پرمود اصفہانی شاہ کے بنگلے کے قریب پہنچ گیا۔ اسے ایس سیکشن کے دونوں آدمیوں سے گفتگو کیے ہوئے گیارہ منٹ گزر چکے تھے اس لیے اس بات کا امکان نہیں تھا کہ وہ دونوں اب بھی وہاں ہوتے۔ ان دونوں میں سے کسی نے ٹرانسمیٹر پر پرمود سے رابطہ بھی قائم نہیں کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ابن حکیم اور کا ڈرائے ابھی بنگلے سے گئے نہ ہوں گے۔ اگر وہ جاتے تو یقیناً ان کا تعاقب پھر شروع کر دیا جاتا اور ایس سیکشن کے آدمیوں سے پرمود کو اس کی اطلاع ملتی۔

اصفہانی شاہ کا بنگلا بہت بڑا اور شاندار تھا۔ اس وقت اس پر سناٹے کی حکمرانی معلوم ہو رہی تھی لیکن پرمود جانتا تھا کہ اس کے ایک کمرے میں ہرگز سناٹا نہ ہوگا اور وہاں بہت ہی خاص قسم کی گفتگو ہو رہی ہوگی۔

یہ ناممکن نہیں تھا کہ اصفہانی شاہ کسی لالچ کے تحت راجیشیائی جاسوسوں سے مل جاتا لیکن سوال یہ تھا کہ راجیشیائی جاسوس اس سے کیا کام لینا چاہتے ہوں گے۔ یہی جاننے کے لیے پرمود فوراً یہاں پہنچا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ بنگلے میں داخلے کے لیے کون سی راہ اختیار کی جائے۔

http://www.kitaabghar.com http://www.kitaabghar.com

☆☆☆

برائن اور ابن حکیم کے وہاں پہنچنے سے ذرا دیر پہلے جمال اور نواب چھٹن، اصفہانی شاہ کے بنگلے کے احاطے میں داخل ہو چکے تھے۔ جمال اپنا ریوالور ساتھ لانا نہیں بھولا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کا شبہ درست ثابت ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ انتہائی خطرناک لوگوں سے ٹکرانے والا ہے۔ پولیٹیکل جاسوسوں کی نظر میں زندگی اور موت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ خود بھی مٹ جاتے ہیں اور دوسروں کو مٹانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

جمال نے آج دن ہی میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے چوری چھپے اصفہانی شاہ کے بنگلے میں چھپ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ آدھی رات کو آنے والے وہ دونوں آدمی کون ہیں۔ ان کی اور اصفہانی شاہ کی گفتگو سن کر بڑی آسانی سے ان دونوں کی شخصیت کا اندازہ ہو جاتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی معلوم ہو جاتی کہ وہ دونوں اصفہانی شاہ کے پاس کیوں آئے تھے۔

جمال کو معلوم تھا کہ بنگلے کی پشت پر جو کھڑکیاں ہیں، ان میں کون سی کھڑکی فوزیہ کی خوابگاہ کی ہے۔ جمال اسی کھڑکی سے بنگلے میں داخل ہونا چاہتا تھا کیونکہ یہ بات بھی اسے معلوم تھی کہ فوزیہ کی نیند بہت گہری ہے۔

جمال اور نواب چھٹن ایک کھڑکی کے قریب رکے۔ یہی کھڑکی فوزیہ کی خوابگاہ کی تھی۔ اس وقت ٹھیک ایک بجا تھا۔ جمال نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے سوچا کہ پہلا آدمی بنگلے کے سامنے کار سے اتر چکا ہوگا۔

جمال نے کھڑکی پر دباؤ ڈال کر دیکھا کہ شاید کھڑکی کھلی رہ گئی ہو لیکن ایسا نہیں تھا۔ اب جمال نے اپنی جیب سے شیشہ کاٹنے کا قلم نکالا جو اس نے آج ہی بازار سے خریدا تھا۔

جمال نے کھڑکی کا اوپری شیشہ کاٹا۔ جب وہ کٹ کر نیچے گرا تو آواز ہونا لازمی تھی۔ جمال دم سادھ کر رہ گیا۔ اس کا دل اب بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ کھڑکی سے کان لگائے کھڑا رہا مگر ایسی کوئی آواز نہیں سنائی دی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ فوزیہ بیدار ہو گئی ہوگی۔

ایک منٹ بعد جمال نے ٹوٹے ہوئے شیشے کے فریم سے اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی آہستہ سے نیچے گرادی۔ نچلی چٹخنی نہیں لگائی گئی تھی۔ کھڑکی کھل گئی اور جمال نے اطمینان کا سانس لیا۔

''بالکل آواز نہ نکلے'' جمال نے نواب چھٹن کے کان میں سرگوشی کی۔

نواب چھٹن نے سرہلادیا۔

''پہلے میں اندر داخل ہوں گا'' جمال نے پھر سرگوشی کی''اس کے بعد جب میں اشارہ کروں تو تم بھی اندر آجانا''

نواب چھٹن نے پھر سرہلانا کافی سمجھا۔

جمال پھرتی سے کھڑکی پر چڑھ گیا اور پھر پردے کو ذرا سا ہٹا کر دوسری طرف دیکھا۔ کمرے میں مدھم نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ فوزیہ اپنے بستر پر بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ اس نے کروٹ اس طرح لے رکھی تھی کہ اس کا رخ کھڑکی ہی کی طرف تھا۔

جمال آہستگی سے کمرے میں اتر گیا۔ اس وقت اس نے ریوالور اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے نواب چھٹن کو آنے کا اشارہ کیا۔ نواب چھٹن اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اوپر آگیا اور پھر کمرے میں اتر آیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ وہ بہت گھبرایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ جمال نے ایک نظر سوتی ہوئی فوزیہ پر ڈالی اور پھر نواب چھٹن کا ہاتھ پکڑے پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ جمال نے دروازے کی چٹخنی نیچے کرنے میں بھی بڑی احتیاط برتی اور پھر ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا وہ اور نواب چھٹن دوسری طرف نکل گئے۔ یہ ایک راہداری تھی۔ جمال نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ راہداری میں تاریکی تھی اس لیے جمال نے اپنی جیب سے محدود روشنی والی ٹارچ نکال کر جلائی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ضرورت پیش آسکتی تھی اس لیے ٹارچ بھی ساتھ لایا تھا۔

راہداری زیادہ طویل نہیں تھی۔ وہ دونوں ایک طرف بڑھے۔ اب نواب چھٹن کے ہونٹ تو ہل رہے تھے مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے ایک بار اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اطمینان کیا کہ پتھر موجود ہے یا نہیں ایک بڑا سا نوکیلا پتھر وہ اس لیے اپنے ساتھ لایا تھا کہ اس سے اپنی حفاظت کر سکے۔ اس نے جمال سے کہا تھا کہ لڑکپن میں اس نے خوب پتھر بازی کی ہے اس لیے اس میں خاصا مشاق ہے۔ جمال کے خیال میں یہ فضول سی بات تھی لیکن اس نے نواب چھٹن کو پتھر رکھنے سے روکا نہیں تھا۔

وہ راہداری کے سرے پر پہنچے اور پھر دوسری طرف مڑتے مڑتے جمال نہ صرف خود رکا بلکہ اس نے نواب چھٹن کو بھی پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ جمال نے احتیاط کے ساتھ دیوار سے چپک کر دوسری طرف جھانکا۔ اب اسے پتا چلا کہ راہداری میں مڑتے مڑتے اس نے جو روشنی دیکھی تھی، وہ ایک کمرے کی کھڑکی کے روشن شیشے تھے۔ غالباً اس کمرے میں روشنی تھی۔ ممکن ہے اصفہانی شاہ اور وہ دونوں آدمی اسی کمرے میں ہوں۔ جمال نے سوچا۔

'' دیکھو!'' جمال نے نواب چھٹن کے کان میں سرگوشی کی۔ ''میں آگے جا کر دیکھتا ہوں کہ اس کمرے میں کون ہے۔ تم یہیں رہو''

جمال کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ شیشوں پر پڑنے والی تیز روشنی ظاہر کر رہی تھی کہ کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا نہیں ہے۔ جمال نے دیوار سے چپک کر تھوڑا سا سر بڑھایا اور کمرے میں اسے دو آدمی بیٹھے نظر آئے۔ ایک تو اصفہانی شاہ تھا لیکن دوسرے کی صورت جمال کے لیے اجنبی ہونا ہی چاہیے تھی۔ فوری طور پر جمال کے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ آج اس کا دوسرا ساتھی کہاں ہے۔ کیا آج رات اسے نہیں آنا تھا یا وہ ابھی تک پہنچا نہیں ہے۔ اسے پہنچ جانا تو چاہیے تھا کیونکہ وہ ایک بج کر پانچ منٹ پر آیا تھا اور اب ایک بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔

اصفہانی شاہ اور اس کے ملاقاتی کے ہونٹ ہلتے نظر آرہے تھے مگر کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے آواز نہیں آرہی تھی جمال جھک کر کھڑکی کے نیچے سے گزرا اور دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اسے توقع تھی کہ یہاں سے وہ اندر کی آوازیں ضرور سن سکے گا کیونکہ دروازے کے نچلے حصے اور

فرش کے درمیان تھوڑا سا خلا ضرور ہوتا ہے۔ اسی خلا سے آواز باہر آ سکتی تھی اس کے علاوہ دروازے کا کی ہول بھی تھا۔ آواز سننے کیلئے جمال نے کی ہول سے کان لگا دیا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ ایک سایہ دبے قدموں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کمرے کے اندر سے ایک اجنبی آواز سنائی دے رہی تھی "اگر آپ کے جنگل نہ ہوتے تو کام بہت دشوار ہو جاتا"

"لیکن اب یہ کام کچھ رنگ بھی لائے گا یا نہیں!" یہ اصفہانی شاہ کی آواز تھی جسے جمال اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"پلان یہ ہے کہ....."

اجنبی آواز سنائی دی لیکن اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے کوئی ٹھنڈی سی چیز جمال کی گدی سے آ لگی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے بڑے سفاک انداز میں سرگوشی کی تھی "ہاتھ اٹھا دو"

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا" جمال چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"ہاتھ اٹھاؤ!" پہلے ہی کے سے سفاک لہجے میں کہا گیا۔

ریوالور جمال کے ہاتھ میں موجود تھا لیکن وہ اس سے کوئی کام نہیں لے سکا۔ جیسے ہی اس نے اپنے ہاتھ بلند کیے کسی نے ریوالور اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ وہ ٹھنڈی سی شے اب بھی جمال کی گدی سے لگی ہوئی تھی اور جمال کو یہ اندازہ پہلے ہی ہو چکا تھا کہ وہ ٹھنڈی شے ریوالور کی نال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

"مڑ کر نہ دیکھنا!" آواز پھر سنائی دی "دروازے کو دھکا دو اور اندر چلو"

جمال نے دروازے کو دھکا دیا اور وہ دوسری طرف کھلتا چلا گیا۔ کمرے کی تیز روشنی اس پر پڑی۔ اصفہانی شاہ اور اس کا ملاقاتی سامنے کھڑے نظر آئے۔ شاید انہوں نے دروازے کے باہر کی آواز سن لی تھیں۔

"اندر چلو!" جمال کو حکم ملا۔

اصفہانی شاہ کے چہرے سے گھبراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"یہ کون ہے برائن۔" اصفہانی شاہ کے ملاقاتی نے جمال کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔ اسی وقت جمال کو اپنی پشت سے 'ٹھک' کی آواز سنائی دی یہ دراصل نواب چھٹن کے پتھر کی آواز تھی جو برائن کی کھوپڑی پر پڑ کر اسے لالہ زار بنا گیا تھا۔

برائن کے منہ سے تیز کراہ نکلی اور وہ لڑکھڑا گیا۔

"بھ... بھاگو جمال!" نواب چھٹن کی چیختی ہوئی سی آواز راہداری میں گونجی۔

جمال تیزی سے پلٹا۔ برائن بیہوش ہو کر گر رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں سے ریوالور گر پڑے۔ ان میں سے ایک جمال ہی کا تھا۔ جمال انہیں اٹھانے کے لیے بڑی تیزی سے جھکا تھا کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے سر پر سے گزر گئی۔ فائر کرنے والا اصفہانی شاہ کا ملاقاتی تھا۔ جمال نے پھرتی سے دونوں ریوالور اٹھا لیے مگر جلدی میں دیکھ ہی نہیں سکا تھا کہ اصفہانی شاہ کے ملاقاتی کی گولی خود اس کے ساتھی برائن کے سینے میں پار ہو چکی تھی۔

جمال نے ریوالور اٹھاتے ہی خود بھی ایک فائر جھونک دیا لیکن اس کے فائر کا کوئی نشانہ نہیں تھا۔ ساتھ ہی وہ چھلانگ لگا کر دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ اسی وقت کمرے کے اندر سے پھر ایک فائر کیا گیا۔

"بھاگو... بھائی!" نواب چھٹن کی ایسی آواز سنائی دی جیسے اس کا دم نکلا جا رہا ہو۔

جمال نے نواب چھٹن کا ہاتھ پکڑا اور بھاگ کھڑا ہوا لیکن راہداری میں مڑتے ہی فوزیہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

''جمال!'' فوزیہ متحیرانہ انداز میں چیخ پڑی۔

جمال کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے اس نے ایک ریوالور اپنی جیب میں ڈالا اور فوزیہ کا ہاتھ پکڑتا ہوا تیزی سے کمرے میں گھسیٹے لیے چلا گیا۔ نواب چھٹن بھی ساتھ ہی تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر جمال نے بڑی تیزی سے دروازہ بند کر لیا اور بولا

''فوزیہ! میں تمہیں اس وقت تفصیل نہیں بتا سکتا، اچھا خدا حافظ۔ آؤ نواب''

جمال کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ فوزیہ بھونچکا سی کھڑی رہ گئی اور وہ دونوں کھڑکی سے دوسری طرف کود گئے لیکن ابھی وہ چند ہی قدم دوڑے ہوں گے کہ جمال کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔ کسی نے اس پر جھپٹا مارا تھا۔

دفعتاً نواب چھٹن کے منہ سے نکلا ''ہائے ابا جی....'' کسی آدمی کے دھکے سے وہ زمین پر گر پڑا تھا اور پھر اس سے پہلے کہ کھڑا ہو پاتا کوئی اس پر ٹوٹ پڑا۔

''ہائے مر گئے!'' نواب چھٹن کے منہ سے کراہ نکلی۔

دوسری طرف ایک ریوالور کی نال جمال کی کمر سے لگ گئی تھی اور کسی نے غرا کر حکم دیا تھا ''اپنے ہاتھ اٹھا دو!''

جمال کے لیے تعمیل کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

☆☆☆

پرمود نے سوچا تھا کہ پھاٹک سے داخل ہونا مناسب نہ ہوگا دوسری صورت یہی ہو سکتی تھی کہ پرمود بنگلے کی پشت پر جاتا اور دیکھتا کہ بنگلے میں داخلے کے لیے اس طرف کوئی ذریعہ ہاتھ لگ سکتا ہے یا نہیں۔

پرمود بنگلے کی پشت کی طرف بڑھا اپنے سیاہ لباس کی وجہ سے وہ تاریکی ہی کا ایک متحرک جزو معلوم ہو رہا تھا۔ بنگلے کی پشت پر مڑتے مڑتے وہ دفعتاً رک گیا اور دیوار سے چپک کر دوسری طرف جھانکنے لگا، فاصلہ زیادہ نہیں تھا اس لیے وہ کار فوراً ہی دکھائی دے گئی تھی۔ اسے دیکھ کر پرمود کو حیران ہونا ہی چاہیے تھا۔ یہاں اس کار کی موجودگی معنی خیز ہی نہیں بلکہ پراسرار بھی تھی۔ یہ ایسا مقام نہیں تھا جہاں اس علاقے کا کوئی رہنے والا رات کے وقت اپنی کار کھڑی کرتا ہو۔

وہ کار بنگلے کی دیوار سے تقریباً لگی کھڑی تھی اس کی ہیڈ لائٹس بجھی ہوئی تھیں اور اندر بھی اندھیرا تھا اندھیرے ہی کی وجہ سے یہ بات نہیں معلوم ہو سکتی تھی کہ کار میں کوئی بیٹھا ہے یا نہیں البتہ کار کے باہر اس کے قرب وجوار میں کسی انسان کا سایہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

دفعتاً ایک فائر کی آواز سنائی دی اور پرمود چونک پڑا پھر فوراً ہی دوسرا فائر بھی ہوا، آوازیں مدھم تھیں لیکن پرمود کو اندازہ ہو گیا کہ وہ فائر بنگلے کے اندر ہوئے تھے۔ اتنے میں تیسرا فائر بھی ہو گیا اور اسی وقت کار کے دروازے کھلتے نظر آئے۔ دو آدمی بڑی تیزی کے ساتھ کار سے نکلے تھے چشم زدن میں وہ کار کی چھت پر نظر آئے اور پھر وہاں سے دیوار پر چڑھ گئے۔

تین فائروں کے بعد کوئی فائر نہیں ہوا۔ دیوار پر چڑھنے والے دونوں آدمی ایک کے بعد ایک نظر سے اوجھل ہو گئے۔ شاید وہ دوسری طرف کود گئے تھے۔ پرمود کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ کیا وہ تین فائر کسی قسم کا اشارہ تھے جنہیں سن کر وہ دونوں آدمی بنگلے کے احاطے میں جا کودے تھے مگر نہیں، اس قسم کا خطرناک اشارہ تو ہنگامہ برپا کر سکتا تھا کیونکہ یہ کوئی ویران جگہ نہیں تھی۔ کالونی کے افراد نہ سہی تو کم از کم اصفہانی شاہ کے افراد خاندان تو جاگ ہی سکتے تھے پرمود کو معلوم تھا کہ اصفہانی شاہ کا خاندان کافی بڑا ہے اور اسی بنگلے میں رہتا ہے اور یہ بات ممکن نہیں تھی کہ وہ

سب کے سب اصفہانی شاہ کے کرتوت سے واقف ہوں۔

تو پھر یہ فائر اس بات کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ دو پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی ہیں لیکن یہ کیسا ٹکراؤ تھا کہ تین ہی فائروں کے بعد ختم ہو گیا۔ پرمود صحیح اندازہ نہ لگا سکا کہ ان فائروں کے پس منظر میں کیا واقعہ ہوگا۔ پوری کالونی پر پہلے ہی کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ غالباً" فائروں کی آوازیں پڑوسیوں کو نہیں جگا سکی تھیں۔ وہ آوازیں تھیں ہی اتنی مدھم کہ قرب وجوار کی آبادی پر ان کا اثر نہیں پڑ سکا تھا۔

پرمود نہ جانے کیا سوچ کر یکبارگی اس کار کی طرف دوڑ پڑا۔ ایسے موقعوں پر اس کے جسم میں جیسے بجلیاں بھر جاتی تھیں اور وہ آگ و خون کے کھیل میں کودنے کے لیے بے چین ہو جاتا تھا۔ دوڑتے ہی میں اس نے اپنے ہولسٹروں میں سے ایک ریوالور کھینچ لیا تھا۔

کار میں اب بھی تاریکی تھی لیکن اندازے سے سمجھا جا سکتا تھا کہ اب اس میں کوئی نہ ہوگا۔ اگر ہوتا اور اس کی ڈیوٹی یہی ہوتی کہ وہ وہیں رکے تب بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کار میں بیٹھا رہ جاتا۔ فائروں کی وجہ سے اس کا، کار سے نکلنا ضروری تھا کہ یہی انسانی جبلت ہے۔ تجسس کی لہر اسے کار سے باہر آنے پر مجبور کر ہی دیتی۔ پرمود کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ کار خالی تھی۔ پرمود ایک ہی جست میں اس کی چھت پر پہنچ گیا اور دوسرے ہی لمحے وہ دیوار کے اوپر لمبا لمبا لیٹا احاطے میں پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

ایک ٹھنڈی سی شے پرمود کی کلائی سے مس ہوئی پرمود نے اسے ٹٹول کر دیکھا۔ ایک آہنی میخ دیوار میں گڑی ہوئی تھی اور اس سے ایک رسا بندھا ہوا تھا۔ اب پرمود کو پتا چلا کہ وہ دونوں آدمی اس رسے کے ذریعے احاطے میں اترے ہوں گے اسی کے ذریعے ان کی واپسی بھی ہوتی اگر یہ نہ ہوتا تو کم از کم اس دیوار کے ذریعے ان کی واپسی ممکن نہ ہوتی۔ بیرونی سمت میں تو خیر کار تھی لیکن اندرونی حصے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس پر چڑھ کر وہ دیوار کے اوپر تک پہنچ سکتے۔

ایک ثانیے کے لیے پرمود کے ذہن میں یہ خیال گونجا کہ وہ اس رسے کو اوپر کھینچ کر ان لوگوں کی واپسی کا یہ راستہ مسدود کر دے لیکن پھر اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

دوسرا خیال اس کے ذہن میں یہ آیا کہ وہ بھی اس رسے کے ذریعے احاطے میں اتر جائے لیکن ابھی اس نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کی تھی کہ قدموں کی آہٹیں قریب آتی سنائی دیں۔

''چلو جلدی چلو!'' ایک غراہٹ بھی سنائی دی۔

'' چ... چل رہے ہیں بھائی... ہمیں دھکا مت دو، ہم نواب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں''

''بکواس مت کرو!''

پرمود کو سامنے پانچ سائے دکھائی دیے۔ ان میں سے دو نے اپنے ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ پرمود نے برقی سرعت سے فیصلہ کر لیا کہ فی الحال ان لوگوں سے ٹکرانا زیادہ سود مند ثابت نہ ہو سکے گا۔ پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ جن دو آدمیوں کو اغوا کیا جا رہا ہے، وہ کون ہیں اور ان کے اغوا کا مقصد کیا ہے۔

''برائن کہاں ہے جناب۔'' ایک آواز سنائی دی۔

''وہ ہلاک ہو گیا ہے'' جواب تھا۔

غالباً یہ بولنے والا ابن حکیم تھا، پرمود نے سوچا لیکن برائن کیسے ہلاک ہو گیا۔ وہ فائر کیا برائن ہی پر کیے گئے تھے۔ لیکن فائر کرنے والے کون تھے۔ کیا یہی دونوں آدمی جنہیں اغوا کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پانچوں دیوار کے بالکل قریب آ جاتے پرمود بڑی پھرتی سے کار کی چھت پر اتر گیا اور وہاں سے زمین پر چھلانگ لگا دی۔

ابھی تک ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پرمود اس جگہ تک پہنچنا چاہتا تھا جہاں یہ لوگ جاتے لہذا اس نے سوچا کیوں نہ اس کار کی ڈکی میں چھپ جائے، اس نے کار کی ڈکی کھولنا چاہی مگر پتا چلا کہ وہ مقفل ہے۔ اب پرمود نے تیزی سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کوئی تدبیر ذہن میں نہ آسکی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ پرمود اپنی کار میں ان لوگوں کا تعاقب کرتا۔

اس کی کار یہاں سے اتنی دور کھڑی تھی کہ وہ پوری قوت سے دوڑ کر بھی چار منٹ سے پہلے اس تک نہ پہنچ پاتا، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ سامنے نہیں تھا۔ پرمود دوڑ پڑا، اپنی پوری قوت سے دوڑ پڑا، شاید ہی کبھی اپنی زندگی میں اتنا تیز دوڑا ہو۔ ایک منٹ گزر گیا دوسرا منٹ بھی گزرا اور پرمود کی ٹانگیں کسی برقی مشین کی طرح چلتی رہیں۔ تیسرے منٹ کے خاتمے پر وہ اپنی کار میں تھا، اپنے انداز سے ایک منٹ پہلے۔ کار حرکت میں آئی اور آندھی طوفان کی طرح بڑھی۔ پرمود سوچ رہا تھا کہ اگر وہ لوگ نکل گئے تو اس خسارے کا ازالہ مشکل ہوگا۔

http://www.kitaabghar.com http://www.kitaabghar.com

☆☆☆

فائرنگ کی آواز سے اصفہانی شاہ کے گھر کا ایک ایک فرد جاگ پڑا تھا۔ اصفہانی شاہ کے سخت ترین احکامات تھے کہ خاندان کا کوئی بھی فرد رات کے وقت ان کمروں کا رخ نہ کرے جو اصفہانی شاہ نے صرف اپنے لیے مخصوص کر رکھے تھے لیکن موجودہ صورت حال میں کسی کو بھی اس پابندی کی پروا نہیں رہ گئی تھی۔ جو لوگ پہلے ہی فائرنگ کی آواز پر بیدار ہو گئے تھے۔ انہوں نے بعد کے فائروں سے ان کی سمت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ بہر حال وہ سب اس طرف دوڑ پڑے تھے لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی انہیں اصفہانی شاہ سے ٹکرانا پڑ گیا۔ اصفہانی شاہ بھی تقریباً دوڑتا ہوا ان لوگوں کی طرف آرہا تھا۔

''لاش، لاش قتل!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

بہر حال پھر پندرہ منٹ کے اندر اندر پولیس وہاں پہنچ گئی خود اصفہانی شاہ نے پولیس ہیڈ کوارٹر فون کیا تھا۔ اس کے گھر میں قتل ہو جانا ایک ایسی ہی بات تھی کہ کئی بڑے آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ایف، اے، قزلباش نے کیس کی تفتیش بذات خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اصفہانی شاہ نے اپنے لیے جو تین کمرے مخصوص کر رکھے تھے، ان کی ترتیب اس طرح تھی کہ نشست گاہ میں داخل ہوتے ہی سامنے نظر آنے والا دروازہ اس کی خواب گاہ کا تھا۔ خوابگاہ کے برابر میں لائبریری تھی۔ غیر ملکی کی لاش نشست گاہ کے دروازے سے باہر راہداری میں پڑی تھی اس کے قریب ہی ایک خون آلود پتھر پڑا ہوا تھا۔ لاش کا سر زخم خوردہ تھا اور اس کے سینے میں گولی پیوست تھی۔

ایک گولی نے راہداری کی چھت کا پلاسٹر ادھیڑا تھا اور دوسری نے راہداری کی دیوار کا! ڈی، ایس پی قزلباش نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ دیوار میں لگنے والی گولی نشست گاہ کے اندر سے چلائی گئی ہوگی۔

اصفہانی شاہ نے بیان دیتے ہوئے کہا ''میں اپنی لائبریری میں مطالعہ کر رہا تھا کہ میں نے فائر کی آواز سنی۔ جب سے جنگ چھڑی ہے مجھے دیر سے نیند آنے لگی ہے اسی لیے میں رات گئے تک مطالعہ کرتا رہتا ہوں، فائر کی آواز سنتے ہی گھبرا کر کھڑا ہو گیا پھر فوراً'' ہی دوسرے فائر کی آواز سنائی دی۔ میں دوڑتا ہوا اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا اتنے میں تیسرا فائر بھی ہو چکا تھا۔ پھر جب میں نے نشست گاہ میں قدم رکھا تو مجھے کسی آدمی کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ غالباً وہ نشست گاہ ہی سے نکل کر بھاگا تھا فوراً ہی میری نظر لاش پر بھی پڑ گئی اور میں چند لمحوں کے لیے سکتے کے عالم میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو میں دوڑتا ہوا باہر پہنچا کہ اپنے عزیزوں کو اس کی اطلاع دوں۔ وہ لوگ فائرنگ کی آواز سن کر جاگ چکے تھے اور دوڑتے ہوئے ادھر ہی آرہے تھے۔ میں راہداری کے موڑ پر ان لوگوں سے ٹکرا گیا۔ میں نے انہیں قتل کے بارے میں بتایا اور پھر

پولیس ہیڈ کوارٹر فون کیا۔"

غیر ملکی مقتول کی تلاشی لی جا چکی تھی مگر اس کے پاس سے ایک بھی ایسی چیز برآمد نہ ہو سکی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ فوری طور پر اس کا پتا لگانے کے لیے پولیس یہی کر سکتی تھی کہ اخبارات میں اس کی تصاویر شائع کرا دے۔

جائے واردات پر پولیس کی تمام کارروائی ختم ہونے کے بعد پریس فوٹو گرافرز کی فوج حرکت میں آ گئی۔ شالی گڑھ کا ایک بھی اخبار ایسا نہ ہو گا جس کا نمائندہ وہاں نہ پہنچا ہو۔ اتنی دیر میں پولیس نے گھر کے تمام افراد کے بیانات لے ڈالے۔ بیان دینے والوں میں فوزیہ بھی تھی لیکن اس نے پولیس کو جمال یا نواب چھٹن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔ اس کا دماغ ان گنت خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسے وہ تمام باتیں یاد آ رہی تھیں جو جمال نے آج صبح اس سے کہی تھیں۔ ان باتوں کا ماحصل یہ تھا کہ آج رات کو جمال ان آدمیوں کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرے گا جو راجیشیائی جاسوس بھی ہو سکتے تھے۔ آج ہی رات یہ ہنگامہ بھی ہو گیا تھا اس لیے فوزیہ یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ شاید جمال نے ان دونوں آدمیوں کو اسی کے بنگلے میں داخل ہوتے دیکھا تھا مگر مصلحتاً اس سے یہ بات چھپا لی تھی۔

فوزیہ کے ذہن میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی کہ اس کے باپ نے ابھی کچھ ہی عرصے سے بنگلے کے چند کمرے صرف اپنے لیے مخصوص کر لیے تھے اور دوسروں پر رات کے وقت اس طرف آنے کی پابندی عائد کر دی تھی۔ آخر کیوں؟ کیوں؟

فوزیہ کے ذہن پر ضربیں سی پڑ رہی تھیں اور وہ دھڑکتے دل سے سوچ رہی تھی کہ کیا وہ دونوں پراسرار آدمی اس کے باپ ہی سے ملنے آیا کرتے تھے۔ اگر یہی حقیقت تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ جمال حقیقت معلوم کرنے کے لیے آج رات چوری چھپے اس کے بنگلے میں داخل ہوا اور شاید وہ چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سن رہا ہو گا کہ انہیں اس کی موجودگی کا پتا چل گیا۔ دونوں پارٹیوں میں ٹکراؤ ہوا اور جمال ان میں سے ایک کو گولی مار کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

جمال کے ساتھ نواب چھٹن بھی تھا۔ فوزیہ اسے بھی اچھی طرح جانتی تھی، کیوں نہ جانتی جبکہ وہ ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔ فوزیہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ نواب چھٹن کو جمال سے بہت لگاؤ ہے اور وہ عموماً جمال کے ساتھ رہتا ہے اس لیے ایسا ہونا حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ جمال اس مہم میں اسے اپنے ساتھ لے لیتا۔ جمال کے ہاتھوں میں ریوالوروں کی موجودگی فوزیہ کو یقین دلا رہی تھی کہ غیر ملکی کا قتل اسی کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اسی کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی غیر ملکی کی ہلاکت کا باعث بنی ہو گی۔ اس خیال سے فوزیہ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا کہ اس کا باپ ناپسندیدہ عناصر میں شامل ہو گیا ہے یا جزوی طور پر ان کا آلہ کار بن گیا ہے۔ اصفہانی شاہ چونکہ ایک سیاسی آدمی تھا اس لیے فوزیہ یہی سمجھنے پر مجبور تھی کہ مقتول غیر ملکی اور اس کا ساتھی جو غائب ہو چکا تھا، غیر ملکی جاسوس ہی ہوں گے۔

فوزیہ بڑی وسیع النظر اور بیباک انداز فکر رکھنے والی لڑکی تھی اس لیے اس نے خواہ مخواہ کے جواز تلاش کر کے اپنے باپ کو معصوم سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور بڑی دلیری سے حقیقت کے زہر کا گھونٹ اپنے حلق سے اتار لیا۔ وہ اپنے باپ کی فطرت کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے اس کا باپ نئے نئے اور انسانیت کی سطح سے گرے ہوئے ہتھکنڈے پہلے بھی استعمال کرتا رہا ہے اور موقع ملنے پر آئندہ بھی نہیں چوک سکتا۔ لیکن یہ خیال فوزیہ کے لیے بڑا تکلیف دہ تھا کہ اب اس کا باپ غیر ملکی جاسوسوں کا آلہ کار بھی بن گیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس طرح اسے اپنا مستقبل اچھا نظر آ رہا ہو لیکن یہ ملک وقوم سے غداری تھی، ایک ایسا گھناؤنا جرم تھا جسے بلگارنیہ کی تاریخ کبھی فراموش نہ کرتی۔

پرمود، مجرموں کی کار کا تعاقب کرتا ہوا ایک عمارت تک جا پہنچا تھا۔ مجرم، جمال اور نواب چھٹن پر تشدد کر کے ان کی زبان کھلوانا چاہتے تھے۔ اسی وقت پرمود ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔ مجرم فرار ہونے سے قبل اس مکان میں آگ لگا گئے تھے۔ پرمود، جمال اور نواب چھٹن کو تو اس جلتی ہوئی عمارت سے نکال لانے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر مجرموں میں سے دوا بن حکیم اور اس کا ایک ساتھی اسی عمارت میں رہ گئے تھے۔

پرمود، نواب چھٹن کو اپنے اوپر لادے ہوئے تھا کیونکہ وہ بیہوش ہو گیا تھا اور جمال کا ہاتھ پکڑے ایک گلی میں دوڑ رہا تھا۔ گلی سے گزر کر پرمود اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس نے اپنی کار کھڑی کی تھی۔ دروازہ کھول کر اس نے نواب چھٹن کو پچھلی نشست پر ڈالتے ہوئے جمال سے کہا

''تم آگے بیٹھو!'' جمال فوراً دروازہ کھول کر آگے بیٹھ گیا۔

نواب چھٹن کو نشست پر ڈال کر پرمود نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے پر آ گیا۔ جمال نے فوراً ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا تھا۔ پرمود نے اندر بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور فوراً انجن اسٹارٹ کر دیا۔ فوسٹر حرکت میں آ گئی۔

''میں اب تک اپنے محسن کا نام بھی نہیں جان سکا'' جمال بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اصفہانی شاہ کے بنگلے میں کیا ہوا تھا۔'' پرمود نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

جمال اسے گھورنے لگا۔

''میری بات کا جواب دے کر تم اپنے ملک و قوم کی خدمت کرو گے'' پرمود فوراً ہی پھر بولا ''میں تمہیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ میرا تعلق سیکرٹ سروس سے ہے لیکن میں تمہیں اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔ میں ان غیر ملکی جاسوسوں کی فکر میں ہوں جن سے تم ٹکرا گئے ہو۔''

''اوہ!'' جمال نے طویل سانس لیا ''تو وہ غیر ملکی جاسوس ہی تھے''

''تم کیا سمجھتے ہو؟'' پرمود نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر سامنے تاریک سڑک پر نظر جما دی۔

''مجھے صرف شبہ تھا'' جمال نے کہا اور پھر اپنی ساری کہانی من و عن دہرا دی لیکن ایک بات گول کر گیا۔

''ہوں!'' پرمود نے سر ہلایا ''مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ ابن حکیم اور اصفہانی شاہ میں کیا باتیں ہوئی تھیں''

''مجھے اتنی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ ان کی باتیں سن پاتا۔ برائن نامی غیر ملکی نے مجھے فوراً ہی ریوالور کی زد میں لے لیا تھا''

پرمود دھیرے سے ہنس دیا اور پھر بولا ''میں ابن حکیم نہیں ہوں دوست کہ تمہاری بات پر یقین کر لوں گا''

''کیا مطلب؟''

''تم نے ان کی باتیں ضرور سنی تھیں''

''جو حقیقت تھی وہ میں بتا چکا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا''

''یہ بری بات ہے'' پرمود نے تشویشناک لہجے میں کہا ''آخر تم وہ باتیں کیوں چھپانا چاہتے ہو۔ اس طرح تم اپنے ملک اور قوم کے مفاد کو ٹھیس پہنچاؤ گے''

جمال خاموش رہا۔

''اگر میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں تو تمہارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی'' پرمود نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''میں پولیس سے چھپنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے''

''مجھے خدشہ ہے کہ اصفہانی شاہ کا بیان تمہارے خلاف ہو گا۔ ممکن ہے اس نے پولیس کو بتایا ہو کہ قتل تم نے کیا ہے''

''کیا خود اس کی پوزیشن صاف ہے کہ پولیس اس کے بیان پر قطعی یقین کر لے گی''

''تم ابھی ان معاملات میں بچے ہو۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اصفہانی شاہ نے پولیس کو تمام واقعات بتا دیے ہوں گے۔ ہرگز نہیں۔ اس کا بیان ایسا ہو گا کہ اس پر ذرا بھی آنچ نہ آ سکے اور تم پھنس جاؤ''

''دیکھا جائے گا'' جمال نے شانے جھٹک کر کہا ''بہر حال میں پولیس سے چھپنے کا ارادہ نہیں رکھتا''

''تمہارے بیان کے مطابق فوزیہ بھی تمہیں دیکھ چکی ہے''

''لیکن اس نے پولیس کو میرے بارے میں ہرگز نہ بتایا ہوگا''

''خیر!'' پرمود نے طویل سانس لے کر کہا ''ہوسکتا ہے تم خود کو پولیس کی گرفت سے محفوظ سمجھ رہے ہو لیکن میں تمہیں اپنے محکمے کی قید میں دے سکتا ہوں''

''میرا ضمیر بہرحال مطمئن ہے''

''تمہارا ضمیر مطمئن نہیں ہوسکتا کیونکہ تم کوئی خاص بات چھپا رہے ہو''

جمال کچھ نہ بولا۔ کار تیزی رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ پرمود کی نظر سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھی۔ جمال مڑ کر نواب چھٹن کی طرف دیکھنے لگا جو اب تک بیہوش تھا۔

'' اب تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' پرمود نے پوچھا

''کیا میں خود کو سیکرٹ سروس کی قید میں نہ سمجھوں۔''

''نہیں، میں نے یہ خیال ترک کر دیا ہے۔ تم جہاں چاہو میری کار سے اتر سکتے ہو لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر تم پولیس کی گرفت سے بچ بھی گئے تو ان جاسوسوں کی وجہ سے تمہاری زندگی خطرے میں رہے گی۔''

''میں حالات سے نمٹ سکتا ہوں''

''تم کہاں اترنا چاہتے ہو۔'' پرمود نے خشک لہجے میں کہا۔

''اپنے بنگلے کی عقبی گلی میں''

''راستہ بتاتے رہو'' پرمود نے کہا۔

صبح قریب تھی۔ پرمود نے کار کی رفتار بہت تیز کر دی۔ وہ اجالا پھیلنے سے پہلے جمال اور اس کے دوست کو بنگلے پر چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اسے اصفہانی شاہ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیل معلوم کرنا تھی۔ اصفہانی شاہ کا بیان علم میں آنا بہت ضروری تھا۔

☆☆☆

ہوش میں آتے ہی نواب چھٹن نے آگ آگ کا نعرہ لگایا اور اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر جمال نے اسے زور سے دھکا دے کر پھر بستر پر گرا دیا۔

'' لیٹے رہیے نواب صاحب یہاں آگ نہیں ہے''

نواب چھٹن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یہ تو جمال کے بنگلے کا کمرہ تھا، خود جمال کی خوابگاہ۔

''ارے! بھائی ہم یہاں کیسے؟''

''تم بیہوش ہوگئے تھے'' جمال نے کہا اور پھر مختصر طور پر تمام واقعات دہرا دیے۔

''ارے باپ رے!'' نواب چھٹن نے خوفزدہ سے لہجے میں کہا ''تو وہ سیاہ پوش سیکرٹ سروس والا تھا! یار تم نے اس سے بھی وہ باتیں چھپالیں۔ کیا واقعی تم نے اصفہانی شاہ کے کمرے میں ہونے والی باتیں نہیں سنی تھیں۔''

''سنی تھیں'' جمال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک خفیف سی لکیر کھنچ گئی۔

'' تو پھر اسے کیوں نہیں بتایا۔ بھیا میرے وہ تو اپنے ہی ملک کا آدمی تھا''

''اسے وہ باتیں نہ بتانے کی دو وجوہ ہیں'' جمال نے کہا'' اول یہ کہ میں خود ہی ان تمام معاملات کو انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر چکا ہوں....''

''گویا کنوارے ہی مرنے کا فیصلہ کر چکے ہو''

''اور دوسری وجہ یہ ہے'' جمال نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا'' مجھے اس کی بات پر مکمل یقین نہیں تھا''

''کون سی بات پر۔''

''یہی کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے'' جمال نے بتایا اور پھر ایک ثانیے کے توقف سے بولا'' ممکن ہے وہ کسی اور ملک کا جاسوس ہو۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک ہی ملک میں دو مختلف ملکوں کے جاسوس کام کرتے ہیں۔ دونوں پارٹیوں کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اس لیے وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ممکن ہے وہ سیاہ پوش بھی کسی دوسرے ملک کا جاسوس ہو۔''

''یار تم نہ جانے کہاں کہاں کی سوچ لیتے ہو'' نواب چھٹن نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

''اب یہاں کی سنو!'' جمال نے کہا '' میرے ملازم عبدل نے بتایا ہے کہ اصفہانی شاہ کے گھر میں کسی کا قتل ہو گیا ہے۔ پولیس آئی تھی مگر ان لوگوں نے میرے بنگلے کا رخ نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصفہانی شاہ نے میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ فوزیہ کو تو خاموش رہنا ہی چاہیے تھا۔ اب اخبار سے تفصیلات کا پتا چل سکے گا''

''اچھا تو پھر اب میں چلتا ہوں'' نواب چھٹن بولا۔

''جاؤ لیکن تمہیں ایک کام اور کرنا ہے۔ ضروریات کا تھوڑا سا سامان لے کر شام تک یہاں پہنچ جانا۔ اپنے ابا میاں سے کوئی ایسا بہانہ کر آنا کہ تمہاری دو چار دن کی غیر حاضری انہیں اس فکر میں مبتلا نہ کر دے کہ کوئی لڑکی تمہیں اغوا کر کے لے گئی ہے۔''

''مگر کیوں؟ کیا دو چار دن تمہارے ہی ساتھ رہنا پڑے گا۔''

''شہر سے باہر چلنا ہے''

''کہاں؟'' نواب چھٹن نے چونک کر پوچھا۔

''یہ شام ہی کو بتاؤں گا''

نواب چھٹن کو رخصت کرنے کے بعد جمال پھر اپنی خوابگاہ میں آ گیا۔ تھوڑی دیر میں عبدل ناشتہ لے آیا۔ ناشتہ کرنے سے خمار آلود ذہن کو کافی سکون ملا۔ جمال نے سگریٹ جلائی اور اپنے بنگلے کے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی نظر اصفہانی شاہ کے بنگلے پر تھی۔ وہ کافی دیر تک وہیں ٹہلتا رہا۔ وہ اس چکر میں تھا کہ شاید فوزیہ نظر آ جائے لیکن اصفہانی شاہ کے بنگلے پر قبرستان کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اخبار والے کی سائیکل نظر آتے ہی جمال بیتابی سے اس کی طرف بڑھا۔ جمال اخبار پر نظر دوڑاتا ہوا واپس ہوا۔ جس خبر کی اسے تلاش تھی وہ آخری صفحے پر ملی۔ جمال اسے پڑھتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اصفہانی شاہ کا بیان پڑھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک زہریلی سی لکیر کھنچ گئی لیکن وہ حیران تھا کہ اصفہانی شاہ نے اس کا نام کیوں نہیں لیا۔ وہ بڑی آسانی سے اسے پھنسوانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ اس نے ایک آدمی کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔ اس کی بجائے وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ آدمی اس کے بنگلے کے سامنے والا طالب علم جمال تھا۔

☆☆☆

پرمود کو اتنے کام تھے کہ اس دن دوپہر تک اسے فرصت کا ایک لمحہ بھی میسر نہ آ سکا۔ رات تو آنکھوں آنکھوں میں کٹ ہی گئی تھی۔ دوپہر کو اسے فرصت کا کچھ وقت ملا تو اس نے گھر کی راہ لی۔

کھانے کی میز پر تمثیلہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس نے سوالات کی بارش کر دی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ آدھی رات سے آدھا دن گزرنے تک پرمود کہاں رہا۔ پرمود کو اپنی مصروفیات کی کہانی اسے بتانا ہی پڑی۔

شروع سے تمام باتیں دہراتے ہوئے اس نے کہا۔ ''جب وہ لوگ جمال اور نواب چھٹن کو کار میں......''

''یہ نواب چھٹن اور جمال کون ہیں؟'' تمثیلہ سوال کر بیٹھی۔

''ان دونوں آدمیوں کا نام ہے جنہیں وہ لوگ اصفہانی شاہ کے بنگلے سے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ مجھے ان کے نام بعد میں معلوم ہو سکے'' پرمود نے جواب دیا۔

اور پھر کہا ''لیکن بھئی تم خاموشی سے ساری کہانی سنو۔ جو سوال کرنا ہو بعد میں کرنا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب وہ لوگ ان دونوں کو کار میں بٹھا کر وہاں سے روانہ ہوئے تو میری کار ان کے تعاقب میں لگ چکی تھی۔ اس طرح میں رانی منڈی کی ایک عمارت تک پہنچ سکا۔ رانی منڈی ہمارے شہر کا ایک بدنام علاقہ ہے۔ شاید تم کبھی اس طرف نہ گئی ہو۔ وہاں کی زیادہ تر عمارتیں قدیم طرز کی ہیں۔ وہاں شراب خانوں اور جوئے خانوں کی بھرمار ہے۔ بازار حسن بھی وہیں ہے۔ ہاں تو اس تعاقب کے ذریعے میں اس عمارت تک پہنچ سکا جہاں جمال اور نواب چھٹن کو لے جایا گیا تھا۔ کار میں نے ایک گلی میں کھڑی کی اور چھپتا چھپاتا اس عمارت میں داخل ہوا۔ داخلے میں مجھے دس پندرہ منٹ لگ گئے تھے۔ اس لیے میں ڈر رہا تھا کہ کہیں ان دونوں کا قیمہ نہ بن چکا ہو لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے ان لوگوں کی گفتگو بھی سن لی۔ مجھے یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ ابن حکیم اور اس کے ایک ساتھی کے علاوہ اس عمارت میں اور کوئی نہیں۔ تیسرا آدمی کہیں چلا گیا تھا جو بعد میں دو ایک آدمیوں کے ساتھ لوٹا۔ اتنی دیر میں وہاں بہت کچھ ہو چکا تھا''

یہ کہہ کر پرمود نے اس عمارت میں پیش آنے والے واقعات بھی دہرائے۔ جب اس نے بتایا کہ وہ جمال اور نواب چھٹن کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا تو تمثیلہ پھر بول پڑی ''ابن حکیم اور اس کے ساتھی کو تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔''

''ہاں، میں ان دونوں کو وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا۔ یہ ان دونوں کی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے ہی ساتھیوں کی وجہ سے موت کے منہ میں پہنچ گئے''

''تو کیا وہ مر گئے۔''

''ہاں'' پرمود نے جواب دیا ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں سے فائر بریگیڈ کے والنٹیئر زکوان کی لاشیں ہی ملی تھیں۔ ان کے پوسٹمارٹم سے پتا چلا ہے کہ وہ دھویں کے باعث سانس گھٹ جانے کی وجہ سے مرے تھے۔ شام کے اخبارات میں شاید ان دونوں کی تصویریں بھی آئیں۔ ویسے ابن حکیم کی جیب سے جو کاغذات برآمد ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے اس کی شخصیت پولیس کے لیے روشنی میں آ چکی ہے، یعنی یہ کہ وہ کرجستان کے ایک اخبار کا نمائندہ تھا۔

''یہ نہیں پتا چل سکا کہ وہ جاسوس تھا۔''

''نہیں'' پرمود نے جواب دیا ''ایسے کاغذات اس کے پاس نہیں تھے''

''اچھا پھر کیا ہوا؟''

پرمود کو ہنسی آ گئی۔ تمثیلہ کے انداز سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی بچی اپنی دادی اماں سے کوئی کہانی سنتے سنتے پوچھ بیٹھے پھر کیا ہوا۔

''پھر یہ ہوا کہ میں ان دونوں کو اپنی کار میں لے کر وہاں سے روانہ ہوا'' پرمود نے کہا اور پھر بعد کی تمام باتیں دہرانا شروع کیں۔

تمثیلہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اب پرمود کہہ رہا تھا ''ان دونوں کو چھوڑنے کے بعد میں نے فوراً اپنے ایس سیکشن کے دونوں آدمیوں کو جمال اور نواب چھٹن کی نگرانی پر متعین کیا۔ اس نگرانی کا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کی حفاظت ہو سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ دونوں خطرے میں ہیں۔'' تمثیلہ نے اس انداز میں سر ہلایا جیسے بات سمجھ گئی ہو۔

پرمود کہہ رہا تھا ''ایس سیکشن کے تیسرے آدمی سے مجھے رپورٹ ملی کہ برائن کا ساتھی کاڈرائے بدستور اپنی قیامگاہ پر ہے۔ آج جب اخبارات میں برائن کی تصویر شائع ہوئی تو کاڈرائے نے فوراً پولیس سے رابطہ قائم کیا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتا تو بھی پولیس کو یہ بات معلوم ہو ہی جاتی کہ برائن اس کا ساتھی تھا۔ مون لینڈ کے سفارت خانے سے اس بات کا پتا چلتا کیونکہ وہ دونوں مون لینڈ ہی کی ایک فرم کے ملازم تھے۔ یہی باتیں میں تمہیں کل شام بتا ہی چکا ہوں۔ خیر تو کاڈرائے پر پولیس نے سوالات کی بوچھار کر دی لیکن وہ اس بات پر حیرت ہی ظاہر کرتا رہا کہ اس کا ساتھی اصفہانی شاہ کے بنگلے میں کیوں گیا تھا''

''کیا تم کاڈرائے کو گرفتار نہیں کرا سکتے۔''

''نہیں، اس کے خلاف کوئی ثبوت کہاں ہے''

''جنگ کے زمانے میں تو شبے کے تحت بھی.....''

''ٹھیک ہے لیکن کاڈرائے کا معاملہ دوسرا ہے'' پرمود نے تمثیلہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''...اور ابن حکیم کا بھی وہی معاملہ تھا۔ اس کا تعلق کرجستان سے تھا اور کاڈرائے مون لینڈ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دونوں ملک اب تک ہماری اور راجیشیائی کی جنگ میں غیر جانبدار رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ثبوت کے بغیر ان کے آدمیوں کو گرفتار کر لیا جائے تو دونوں ملکوں کی حکومتیں زبردست احتجاج کریں گی اور بلگارنیہ سے ان کے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ موجودہ صورت حال ایسی ہے کہ ہمارے حکومت کسی سے بھی بگاڑ نہیں کرنا چاہتی''

''مگر ان دونوں ملکوں کی یہ غیر جانبداری کیسی ہے کہ ان کے جاسوس ہماری یہاں سرگرم کار ہیں''

''وہ دراصل راجیشیا کے لیے کام کر رہے ہیں اور خود ان کی حکومتوں کو بھی اس حقیقت کا علم نہ ہوگا''

''لیکن وہ راجیشیا کے لیے کیوں کام کر رہے ہیں۔''

''روپے ہی کی خاطر ایسا ہو سکتا ہے۔ انہیں بہت کچھ ملا ہوگا اور بہت کچھ ملنے کی توقع ہوگی''

''اور اصفہانی شاہ؟''

''اسے ہم غدار وطن کہہ سکتے ہیں۔ وہ کسی معاملے میں دشمن کا آلہ کار بنا ہوا ہے''

''اور تم اب تک یہ نہیں معلوم کر سکے کہ وہ معاملہ کیا ہے''

''ہاں'' پرمود نے طویل سانس لے کر کہا ''شاید یہ پہلا موقع ہے کہ اتنا ہنگامہ ہو جانے کے بعد بھی میں تاریکی میں ہوں۔ اگر جمال نے خاموشی اختیار نہ کی ہوتی تو مجھے اس وقت بہت کچھ معلوم ہو جاتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے ابن حکیم اور اصفہانی شاہ کی گفتگو سنی ہوگی اور یقیناً وہ کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔

''جمال کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔''

''وہ محب وطن معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑا سا بیوقوف بھی ہے۔ جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں وہ خود ان جاسوسوں کو گرفتار کرانا چاہتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنے بڑے خطرے میں ہاتھ ڈالا ہے اور ایسے معاملے میں وہ اپنے اناڑی پن کی وجہ سے مارا بھی جا سکتا ہے۔''

''کیا تمہارا محکمہ اسے زبان کھولنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا؟''

''کر سکتا ہے، بشرطیکہ میں ایسا چاہوں''

''تم ایسا کیوں نہیں چاہتے۔''

''میرے اندازے کے مطابق وہ حد سے زیادہ ضدی ہے، بغیر تشدد کے زبان نہیں کھولے گا اور میں نہیں چاہتا کہ اس پر تشدد ہو۔ میں بہر حال ایسے آدمیوں کو پسند کرتا ہوں جو ملک وقوم کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں''

''لیکن تمہارے یہ جذبات فرض کی راہ میں ایک رکاوٹ بن رہے ہیں''

''ایسا نہیں ہے'' پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک مدھم سی لکیر کھینچ گئی ''میں نے سوچ لیا ہے کہ اب میرا طریقہ کار کیا ہوگا ورنہ پھر جمال کو تشدد برداشت کرنا ہی پڑتا''

''کیا سوچا ہے تم نے؟''

''جمال کو جو باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ ان کے سہارے کچھ کر گزرنے کی کوشش کرے گا اور اس کے ایکشن سے مجھے حقائق کا پتا چل جائے گا۔ یہ میں ابھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کی نگرانی جاری ہے۔

☆☆☆

فوزیہ نے حالات پر جتنا غور کیا تھا اتنا ہی اسے اپنے باپ کی شخصیت مجرم معلوم ہوئی تھی۔ عجیب عجیب خیال اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اپنے باپ کو سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ اسے راہ راست پر لا سکی تو یہ اس کی خوش قسمتی ہوگی۔

معاً فوزیہ کے تصور میں شعلے لپکنے لگے اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے ان شعلوں میں اس کا باپ ہی نہیں پورا خاندان جل رہا ہے اور لوگوں کا ہجوم دور کھڑا ان کی طرف انگلیاں اٹھا اٹھا کر قہقہے لگا رہا ہے۔

''نہیں، نہیں!'' وہ بے اختیار پاگلوں کی طرح بڑبڑانے لگی ''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، ہر گز نہیں''

کچھ دیر بعد ہی وہ اصفہانی شاہ کے سامنے موجود تھی۔

''کیا بات ہے۔'' اصفہانی شاہ نے پوچھا ''تم کیوں آئی ہو؟''

''میں اس قتل کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں''

''کیا بات۔'' اصفہانی شاہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہ قتل کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟''

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے پولیس کو کیا بیان دیا تھا۔''

''مجھے اس بیان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہوں''

اصفہانی شاہ چونک سا پڑا۔

''حقیقت!'' فوزیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم یہ شبہہ کر رہی ہو کہ وہ قتل میں نے کیا ہوگا؟'' اصفہانی شاہ خشک لہجے میں بولا۔

''نہیں، میں یہ شبہہ نہیں کر رہی ہوں۔ بھلا اپنے ساتھی کو بھی کوئی قتل کر سکتا ہے۔''

اس بات پر اصفہانی شاہ چونک پڑا۔ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

''کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے فوزی! آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو۔''

''جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں، وہ آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہیں'' فوزیہ نے کہا اور پھر ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

دوسرے ثانیے وہ برس ہی پڑی ''کیا یہ غلط ہے کہ راتوں سے ایک بجے، دو آدمی آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ کیا یہ غلط ہے کہ وہ غیر ملکی جاسوس تھے۔ کیا یہ غلط ہے کہ آپ ان کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ کیا یہ......''

تڑاخ کی آواز کے ساتھ ایک تھپڑ فوزیہ کے گال پر پڑا۔ اصفہانی شاہ کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ پتا نہیں یہ غصے کی علامت تھی یا کوئی اور بات۔

''آہستہ بولو!'' اصفہانی شاہ غرایا۔

فوزیہ کا ہاتھ اپنے گال پر پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور ہونٹوں میں شدت جذبات سے لرزش پیدا ہو گئی تھی۔

''ڈیڈی!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی ''آپ میری آواز دبا سکتے ہیں لیکن سچائی کو نہیں دبا سکتے''

''میں کہتا ہوں چپ رہو!''

''میں چپ ہو جاؤں گی ڈیڈی لیکن آپ کی آستین کا لہو پکارے بغیر نہ رہ سکے گا۔ آپ تو مجھے نصیحت کیا کرتے تھے کہ پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں کی مانند بنو جو غرور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ سکتی ہیں، گندے جوہڑ نہ بنو جنھیں اپنے اردگرد کے ماحول کی بھی خبر نہیں ہوتی لیکن اب آپ کیا بن رہے ہیں ڈیڈی۔ آپ کن پستیوں کا رخ کر رہے ہیں۔ آپ کن شعلوں کو ہوا دے رہے ہیں۔''

''اوہ.. اوہ!'' اصفہانی شاہ نے غصے سے اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر گھونسا مارا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

فوزیہ جوش کے عالم میں کہتی رہی ''ان شعلوں سے دامن بچایئے ڈیڈی! ورنہ یہ آپ ہی کو نہیں پورے خاندان کو خاکستر کر دیں گے۔ بلگارنیہ کی تاریخ جل اٹھے گی''

''تم کیا بکواس کر رہی ہو۔'' اصفہانی شاہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔

''میں آپ کو حقیقت کے اتنے تلخ گھونٹ پلانا چاہتی ہوں کہ آپ گھبرا کر اس سے دور بھاگنے لگیں۔ یہ تلخیاں آپ کے لیے ناقابل برداشت بن جائیں''

اصفہانی شاہ تیزی سے چل کر اس کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سانپ کی طرح پھنکارا ''یہ سب کچھ تمہیں کس نے بتایا ہے۔''

''میرے جسم میں تڑپتی ہوئی محب وطن روح نے''

''کیا تم جمال سے ملی تھیں؟''

''میں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں''

''فوزی! تم اپنے باپ سے بات کر رہی ہو'' اصفہانی شاہ کا جسم ایک بار پھر غصے سے کانپ گیا۔

''نہیں، میں اپنے باپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔ میرا باپ تو اسی دن مر گیا تھا جب اس کے جسم کی بری روح نے وطن کے دشمنوں سے سازباز کی تھی۔ میں تو ایک ایسے آدمی سے بات کر رہی ہوں جو ابن الوقت ہے....''

ایک بار پھر فوزیہ کے گال پر تھپڑ پڑا۔

''میں تجھے جان سے ماردوں گا فوزیہ''

''جس نے مادر وطن کے سینے میں چاقو اتارنے کا فیصلہ کر لیا ہو وہ مجھے بھی مار سکتا ہے۔ مجھے اس کا یقین ہے'' فوزیہ نے سر اونچا کر کے کہا ''لیکن میں اس موت سے نہیں ڈرتی جو مادر وطن کی سربلندی کا نعرہ لگاتے ہوئے نصیب ہو۔ ہاں مجھے اس زندگی سے ضرور خوف آتا ہے جس کی پیشانی پر وطن سے غداری کا مکروہ داغ لگا ہو۔''

اصفہانی شاہ کا پورا جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ آخر اس نے اپنی آواز سے جھلکتے ہوئے غصے کو دباتے ہوئے کہا ''بیٹھ جاؤ''

''نہیں، مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی، اب جا رہی ہو''

وہ دروازے کی طرف مڑی ہی تھی کہ اصفہانی شاہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

''مجھے اپنی صفائی میں بھی کچھ کہنا ہے''

''آپ میرے نہیں قوم کے مجرم ہیں اور وقت آنے پر قوم ہی کے سامنے اپنی صفائی پیش کیجیے گا'' فوزیہ نے بیباکی سے کہا۔

''فوزی! تم میری مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتیں''

''دنیا کی کوئی مجبوری ایسی نہیں ہو سکتی کہ اس کے لیے وطن کو داؤ پر لگایا جا سکے''

''اچھا فوزی!'' اصفہانی شاہ نے اس کے راستے سے ہٹتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں کہا ''جاؤ میں جانتا ہوں تم جا کر سارے زمانے کو بتا دینا چاہتی ہو کہ تمہارا باپ کیا ہے۔ جاؤ بتا دو لیکن بعد میں تمہیں افسوس ضرور ہو گا کہ تم نے میری مجبوریاں کیوں نہ جان لیں''

فوزیہ نے بڑے غور سے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت نظر آئی۔ اس کا دل بھر آیا۔ بیٹی کی محبت جاگ اٹھی۔

''ڈیڈی!'' وہ بے تحاشا بڑھ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی اور سسکیاں لینے لگی۔

''میری بچی!'' اصفہانی شاہ اس کا شانہ تھپک رہا تھا۔

''ڈیڈی... ڈیڈی! مجھے بتایئے آپ کے ساتھ کیا مجبوری ہے۔'' فوزیہ سسکیاں لیتی ہوئی کہہ رہی تھی ''میں آپ کی مجبوری ختم کرنے کے لیے اپنے آپ کو خاک میں ملا لوں گی ڈیڈی لیکن وطن پر آنچ نہیں آنا چاہیے۔ وطن پر آنچ آ گئی تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی''

''میں تمہیں بتاؤں گا کہ میرے ساتھ کیا مجبوری ہے لیکن اس سے پہلے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا''

''میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں مجھے بتایئے''

''میں تمہیں ایک بنگلے کا پتا دیتا ہوں۔ تم وہاں جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک آدمی ملے گا۔ اسے اپنا بتانا اور میرا حوالہ دینا۔ وہ تمہیں ایک پیکٹ دے گا۔ تم وہ پیکٹ لے کر واپس آ جاؤ لیکن روانگی سے پہلے فون پر مجھے اس کی اطلاع دے دینا کہ پیکٹ کا رنگ کیا ہے۔ فون اس بنگلے میں موجود ہے۔ تم اس آدمی ہی سے کہہ دینا کہ مجھے فون کرنا چاہتی ہو کیا تم یہ کام کر سکو گی۔''

''میں تیار ہوں لیکن اس پیکٹ میں کیا ہوگا۔''

''یہ میں تمہیں اسی وقت بتاؤں گا جب تم وہ پیکٹ لے کر آ جاؤ گی۔ کیا میں تمہیں اس بنگلے کا پتا دوں۔''

''بتایئے''

''لیکن کار میں مت جانا، ٹیکسی کر لینا''

''بہتر ہے''

چند منٹ بعد فوزیہ ایک ٹیکسی میں شاہراہ ادریس کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے پرس میں اصفہانی شاہ کا لکھا ہوا پتا موجود تھا۔ ٹیکسی فراٹے بھرتی رہی اور فوزیہ اس سوچ میں گم رہی کہ وہ کتنی بڑی مجبوری ہوگی کہ اس کا باپ کسی معاملے میں وطن کے دشمنوں کا آلہ کار بن گیا ہے۔ شاہراہ ادریس پر وہ ایک چھوٹا سا لیکن خوب صورت بنگلہ تھا جہاں فوزیہ پہنچی۔ جس آدمی سے ملاقات ہوئی وہ مقامی ہی معلوم ہوتا تھا۔

'' میرا نام فوزیہ ہے۔ مجھے اصفہانی شاہ نے بھیجا ہے''

''اندر تشریف لایئے!'' اجنبی نے بڑے شریفانہ لہجے میں کہا۔ وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

'' آپ تشریف رکھیں۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں''

فوزیہ بیٹھ گئی اور وہ آدمی اندر چلا گیا۔ فوزیہ بے چینی سے پہلو بدلتی رہی۔ اجنبی جلد ہی واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا جو اس نے فوزیہ کو دے دیا۔

'' میں فون کرنا چاہتی ہوں'' فوزیہ نے پیکٹ لے کر کہا۔

'' اندر تشریف لے چلیے''

فوزیہ اٹھ کر اس کے پیچھے اندرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ اچانک اس کے قدم لڑکھڑائے اور دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ اسے خیال آیا تھا کہ وہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔ معلوم نہیں یہ اجنبی کون ہے مگر اس نے یہ سوچ کر اپنے دل کو سنبھال لیا کہ اسے یہاں بھیجنے والا اس کا باپ ہے۔ اگر وہ یہاں کسی خطرے میں پڑ سکتی تو وہ اسے ہرگز یہاں نہ بھیجتا۔ دل مضبوط کر کے فوزیہ بڑھتی چلی گئی۔ اجنبی اسے ایک کمرے میں لے گیا جو کسی کی خوابگاہ معلوم ہوتا تھا۔ بستر کے سرہانے فون رکھا ہوا تھا۔ فوزیہ اس کی طرف بڑھی لیکن ابھی اس کے قریب نہیں پہنچی تھی کہ دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ فوزیہ تیزی سے مڑی۔ اجنبی غائب اور دروازہ بند تھا۔ فوزیہ دوڑ کر دروازے کے قریب پہنچی اور اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ دوسری طرف سے مقفل کیا جا چکا تھا۔

فوزیہ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ وہ یکبارگی فون کی طرف جھپٹی اور ریسیور اٹھا کر اپنے گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجی، ریسیور اٹھایا گیا اور پھر اصفہانی شاہ کی آواز سنائی دی۔

'' ڈیڈی، ڈیڈی!'' فوزیہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اس نے مجھے اس کمرے میں بند کر دیا ہے''

''اس نے ٹھیک ہی کیا ہے'' اصفہانی شاہ نے پرسکون لہجے میں کہا ''تم خود کو میری قید میں سمجھو۔ جب تک میں اپنا مقصد حاصل نہ کر لوں تم قید میں رہو گی۔ آج رات تمہیں اس بنگلے سے ایک اور جگہ منتقل کر دیا جائے گا''

☆☆☆

بلگارنیہ ایکسپریس چیختی چنگھاڑتی پوری رفتار سے دوڑتی سنگ میل پر سنگ میل پیچھے چھوڑتی چلی جا رہی تھی۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے تمام ڈبے تاریک پڑے ہوئے تھے اور جن ڈبوں میں روشنی تھی ان کی کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ گیارہ بج چکے تھے اور جمال ٹرانزسٹر کا سوئچ آن کیے اس دن کے لیے جنگی خبروں کی آخری نشریات سن رہا تھا۔ فرسٹ کلاس کے اس ڈبے میں اس کے اور نواب چھٹن کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں ساڑھے آٹھ بجے شالی گڑھ سے روانہ ہوئے تھے۔ نواب چھٹن کو صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ ان کی منزل گردوانہ ہے۔ اس لائن پر گردوانہ بلگارنیہ کا آخری شہر تھا۔ ٹرین اس سے آگے نہیں جاتی تھی۔ شالی گڑھ سے وہاں تک کا سفر آٹھ گھنٹے دس منٹ کا تھا۔ لیکن نواب چھٹن کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ گردوانہ جانے کا مقصد کیا ہے۔

جنگی خبریں سننے کے بعد جمال نے ٹرانزسٹر بند کر دیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر جلائی۔

''میاں خاں صاحب!'' نواب چھٹن نے بھیک مانگنے والے انداز میں کہا ''اللہ کے واسطے بتا دو کہ ہم گردوانہ کیوں جا رہے ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔'' جمال مسکرایا

'' میرا خیال تو یہ ہے کہ تمہارے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا''

جمال ہنسنے لگا اور پھر بولا ''اچھا میاں نواب صاحب سنو! میں تمہیں بتا ہی دوں کہ ہم گردوانہ کیوں جا رہے ہیں''

''ہاں تم بتا ہی دو'' نواب چھٹن نے سر ہلا کر کہا۔

''میں نے اصفہانی شاہ اور ابن حکیم کی جو باتیں سنی تھیں انہی کی وجہ سے میں نے گردوانہ جانے کا فیصلہ کیا تھا''

''ہائے وہ باتیں'' نواب چھٹن نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے ٹھنڈا سانس لے کر کہا ''ہمارے تو کان ترس رہے ہیں انہیں سننے کے لیے''

''وہ باتیں کچھ زیادہ طویل نہیں۔ جب میں نے دروازے سے کان لگایا تو ابن حکیم، اصفہانی شاہ سے کہہ رہا تھا۔ آپ کے جنگل نہ ہوتے تو کام بہت مشکل ہو جاتا، یہ بات سن کر اصفہانی شاہ نے پوچھا۔ مگر یہ کام اب کچھ رنگ بھی لائے گا یا نہیں۔ جواب میں ابن حکیم نے کہا پلان یہ ہے کہ......''

''پلان یہ ہے کہ؟'' نواب چھٹن نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔

''بس'' جمال نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا ''میں اتنا ہی سن سکا تھا کہ ریوالور کی نالی میری گدی سے آ لگی تھی۔ اب بتاؤ تم ابن حکیم اور اصفہانی شاہ کی ان باتوں سے کیا سمجھے۔''

''بھائی خاں صاحب! اگر میں اتنی اتنی باتوں سے سب کچھ سمجھ سکتا تو پھر رونا کس بات کا تھا''

''اچھا ٹھہرو، میں تمہیں ایک بات اور بتاتا ہوں، پھر شاید تم بھی اس نتیجے تک پہنچ سکو گے جس تک میں پہنچا ہوں'' جمال نے کہا ''غالباً تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ ملک کے شمال مشرقی علاقے میں پھیلا ہوا ایک وسیع جنگل اصفہانی شاہ کی ملکیت ہے۔ گردوانہ سے وہ جنگل صرف پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔''

''اچھا تو پھر۔''

''بالکل کودن ہو یار!'' جمال نے منہ بنا کر کہا ''اب تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ ابن حکیم اور اصفہانی شاہ میں جو یہ باتیں ہوئی تھیں، وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس جنگل میں کوئی خاص کام بڑے پوشیدہ طریقے پر اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے''

''اوہ اچھا اچھا ہاں ہاں'' نواب چھٹن نے بیوقوفوں کی طرح سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب تم پڑ کر سو جاؤ۔ اسٹیشن آنے سے کچھ دیر پہلے میں تمہیں جگا دوں گا''

نواب چھٹن نے برتھ پر لیٹ کر رضائی اوڑھ لی۔

جمال نے لائٹ بجھا کر ایک کھڑکی کھول لی تا کہ تھوڑی بہت ہوا کا احساس ہوتا رہے۔ پھر وہ لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ساتھ ہی ذہن میں واقعات کا تار بندھ گیا، ایک کے بعد ایک بات ذہن میں آتی چلی گئی۔ جمال سوچتے سوچتے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ ٹرین اپنی منزل کی طرف اُڑی چلی جا رہی تھی۔ گردوانہ پہنچنے سے پہلے اسے ایک چھوٹے اور تین بڑے اسٹیشنوں پر رکنا تھا۔

جمال شاید گردوانہ پہنچنے تک سوتا ہی رہتا اگر ایک عجیب سے شور کی آواز سن کر اس کی آنکھ نہ کھل گئی ہوتی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ بے تحاشا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ سونے سے پہلے بتی بجھا کر لیٹا تھا لیکن اب ڈبے میں روشنی تھی۔ تین آدمی برسرِ پیکار نظر آئے۔ ان میں سے دو سیاہ رنگ کے سوٹ میں تھے اور تیسرے کے جسم پر قمیص پتلون اور سویٹر تھا۔ وہ اکیلا سوٹ والوں سے بھڑا ہوا تھا۔

''کھڑکی کا پردہ چڑھا دو'' سویٹر والے نے لڑتے ہی میں زور سے کہا۔

جمال نے سونے سے پہلے ایک کھڑکی کھول رکھی تھی جس سے اب ڈبے کی روشنی باہر جا رہی تھی۔ جمال نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑکی بند کی اور پردہ سرکا دیا۔

''ہائیں ارے باپ!'' نواب چھٹن اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بے تحاشا جھپٹ کر زنجیر کھینچ لی۔ اسی وقت سوٹ والوں میں سے ایک کراہ کر اس طرح گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ دوسرا اب اس فکر میں تھا کہ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دے۔

''نہیں دوست! میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا'' سویٹر والے نے اس کے جبڑے پر ایک گھونسا جماتے ہوئے کہا۔

جمال احمقوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لڑنے والے کون ہیں اور چلتی گاڑی میں اس کے ڈبے کے اندر کیسے گھس آئے۔ ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ نواب چھٹن نے چھلانگ لگائی اور جمال سے آ چپکا۔ وہ سردی کھائے ہوئے جانور کی طرح کانپ رہا تھا۔

''یہ کشتی کک... کیوں ہو رہی ہے... خاں صاحب۔'' جمال خاموش کھڑا رہا۔ وہ خود الجھن میں تھا۔

سوٹ والے نے ایک بار پھر بھاگ نکلنا چاہا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن سویٹر والے نے اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وہ دھم سے اوندھا گرا اور اس کے ساتھ ہی نواب چھٹن کے منہ سے آواز نکلی ''الا باللہ''

سویٹر والا جست لگا کر سوٹ والے پر چڑھ گیا ''بس اب تم نہیں اٹھ سکتے'' اس نے سوٹ والے کی گردن پر کلائی جماتے ہوئے کہا۔

سوٹ والے کے دونوں ہاتھ اس نے گھٹنوں کے نیچے دبا لیے تھے۔ پھر وہ جمال کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا ''یہ دونوں آپ کو اور آپ کے ساتھی کو قتل کر کے آپ کے سامان لوٹ لینا چاہتے تھے''

''اوہ!'' جمال کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

''یا اللہ خیر، یا اللہ خیر جل تو جلال تو'' نواب چھٹن بڑبڑایا۔

ٹرین ایک ویرانے میں رک چکی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ سوٹ والا برابر اس کوشش میں تھا کہ گرفت سے نکل جائے لیکن سویٹر والے نے اسے ہلنے بھی نہ دیا۔ جمال نے لائٹ بجھا کر ڈبے کا دروازہ کھول دیا۔ گارڈ اور چند دوسرے آدمی اندر آ گئے۔ دروازہ بند کر کے پھر لائٹ جلائی گئی۔ سویٹر والے نے سوٹ والے کی کنپٹی پر ایک گھونسا جڑ کر اسے چھوڑ دیا۔ وہ ساکت پڑا رہ گیا تھا۔

''بھائی گارڈ صاحب!'' نواب چھٹن نے رو دینے والے انداز میں کہا ''یہ دونوں سوٹ والے ہمیں قتل کر دینا چاہتے تھے''

سوئیٹر والا اپنی جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کر رہا تھا۔

''آپ کون ہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے۔'' گارڈ نے اس سے پوچھا۔

''میں پچھلے ڈبے کا مسافر ہوں'' سوئیٹر والے نے کہا ''میرا نام سعید ہے، سعید خالد''

جمال نے اس وقت اپنی گھڑی دیکھی۔ سوا دو بج رہے تھے۔ اب اسے پتا چلا کہ وہ دو گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔ اس دوران میں گاڑی ایک چھوٹے اسٹیشن پر رک بھی چکی ہوگی۔

سعید خالد کہہ رہا تھا ''پہلے اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو یہ دونوں آدمی اس ڈبے کے دروازے کے سامنے منڈلا رہے تھے۔ ایک بار انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر بھی دیکھا۔ مجھے ان کی حرکات مشتبہ معلوم ہوئی تھیں۔ پھر جیسے ہی گاڑی چلی یہ دونوں اس ڈبے میں گھس گئے۔ میں بھی دوڑتا ہوا ڈبے کی سیڑھی پر کھڑا ہو گیا۔ جب ٹرین تیز ہو گئی تو میں آہستہ سے دروازہ کھول کر ڈبے میں داخل ہو گیا۔ ان دونوں کی پشت اس وقت دروازے کی طرف تھی اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ کلوروفارم نکالو۔ ان دونوں کو بیہوش کر کے کھڑکی سے باہر پھینک دیں گے اور پھر ان کے سامان پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ بس پھر میں نے فوراً ہی لائٹ جلائی اور دونوں پر ٹوٹ پڑا۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جو ٹرینوں میں عموماً پیش آیا کرتا ہے لیکن دوسری طرف جمال کے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی تھی۔ لڑائی کے دوران میں جمال ان سوٹ والوں کے چہرے ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا تھا مگر اب جو اس نے ایک سوٹ والے کی طرف دیکھا تو بے اختیار چونک پڑا۔

یہ وہ آدمی تھا جو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسے اور نواب چھٹن کو اغوا کر کے رانی منڈی کی عمارت میں لے گیا تھا۔ البتہ اس کا دوسرا ساتھی جمال کے لیے اجنبی ہی تھا۔ اب جمال کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ ڈکیتی کا چکر نہ تھا بلکہ ان دونوں کا اصل مقصد اسے اور نواب چھٹن کو ٹھکانے لگانا ہی تھا۔ تلاشی لینے پر ایک سوٹ والے کے کوٹ کی جیب سے کلوروفارم کی شیشی اور ایک چاقو برآمد ہوا۔ دوسرے کی جیب میں ریوالور تھا لیکن سعید خالد نے یہ لڑائی اتنی چابکدستی سے لڑی تھی کہ ان دونوں کو اپنے ہتھیار جیب سے نکالنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔

ٹرین کا عملہ دونوں سوٹ والوں کو بیہوشی ہی کی حالت میں وہاں سے اٹھا لے گیا۔ گارڈ نے کہا تھا کہ اگلے اسٹیشن پر ان دونوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ بیس منٹ رکنے کے بعد ٹرین پھر روانہ ہو گئی۔

'' میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں مسٹر سعید!'' جمال نے کہا۔

''اپنی ہی زبان سے ادا کرو بھائی خاں صاحب!'' نواب چھٹن بولا ''کیا شکریہ ادا کرنے کے لیے کرائے کی زبان لاؤ گے''

سعید ہنسنے لگا ''نہیں جناب! شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''گردوانہ''

''وہیں میں بھی جا رہا ہوں''

''تو پھر مسٹر سعید!'' جمال بولا ''اگلے اسٹیشن پر آپ اپنا سامان لے کر ہمارے ہی ڈبے میں آ جائیں۔ یہاں اور کوئی تو ہے نہیں، بس ہم ہی ہم ہوں گے''

☆☆☆

فوزیہ کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے کھڑکی کے پاس جارکی اور باہر دیکھنے لگی۔ اس کی نظر کے سامنے میلوں تک ایک گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا -درخت ہی درخت، جھاڑیاں ہی جھاڑیاں! یہ جنگل ایک پہاڑ کے دامن میں پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑ کی ڈھلوان پر بھی درختوں کی بہتات تھی۔ بہتات کیا بس یوں کہنا چاہیے کہ ڈھلوان پر بھی جنگل پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک طرف بہت سی بیرکیں بنی ہوئی تھیں۔ چار چار کی پانچ قطاریں تھیں۔ اب بیرکوں سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹی سی عمارت اور تھی۔ پھر کوئی تین سو فٹ کا فاصلہ چھوڑ کر ایک دومنزلہ عمارت بنائی گئی تھی۔ فوزیہ اس عمارت کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھی۔ اس کی کھڑکی سے بیرک اور ان کے قریب بنی ہوئی چھوٹی عمارت صاف دکھائی دیتی تھی۔

سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔

آج صبح جب فوزیہ کی آنکھ کھلی تو وہ اسی کمرے میں تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہاں کیسے پہنچی۔ اسے اتنا یاد تھا کہ گزشتہ رات جب اس نے کافی پی تھی تو اس کا ذہن بوجھل ہوتا چلا گیا تھا اور وہ سوگئی تھی۔ اب اسے خیال پیدا ہوا تھا کہ غالباً اس کافی میں کوئی خواب آور شے ملی ہوئی تھی جس سے وہ بیہوش ہوگئی اور پھر اسے بیہوشی ہی کے عالم میں اس بنگلے سے یہاں لے آیا گیا۔ یہ جگہ فوزیہ کے خیال کے مطابق کوہ شرجیل ہی ہوسکتی تھی -اسے معلوم تھا کہ کوہ شرجیل کے دامن میں پھیلا ہوا ایک وسیع جنگل اس کے باپ کی ملکیت ہے۔

سات آٹھ سال پہلے وہ ایک بار اپنے باپ کے ساتھ یہاں آئی تھی لیکن اس وقت بس جنگل ہی جنگل تھا۔ یہاں کوئی عمارت نہیں تھی لیکن اب تو یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا نظر آیا تھا۔ وہ حیران تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ صبح سے اب تک وہ گولیاں چلنے کی آوازیں اور ایسے دھماکے سنتی رہی تھی جیسے بم پھٹ رہے ہوں۔ وہ آوازیں اس وقت بھی سنائی دے رہی تھیں۔ فوزیہ ان کا مطلب سمجھنے میں ناکام تھی۔ وہ آوازیں پہاڑ کے اوپر سے بھی آ رہی تھیں اور نیچے پھیلے ہوئے جنگل سے بھی۔

صبح فوزیہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ جس عمارت میں تھی، اس کے اور بیرکوں کے درمیانی حصے میں پریڈ ہو رہی تھی۔ پریڈ کرنے والے سبز رنگ کی فوجی وردیوں میں ملبوس تھے اور ان کے پاس جدید طرز کی رائفلیں تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر فوزیہ کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے یہ کوئی فوجی کیمپ ہو۔ دفعتۃً قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فوزیہ چونک کر پلٹی۔ ایک آدمی کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اسے رکھنے کے لیے میز کی طرف بڑھا۔ یہی آدمی صبح ناشتہ دینے بھی آیا تھا۔ فوزیہ کھڑکی سے ہٹ آئی اور جب وہ آدمی کھانا رکھ کر واپس جا رہا تھا، وہ اس کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔

'' تمہارا نام کیا ہے۔''

''آپ مجھے فیٹی کہہ کر مخاطب کرسکتی ہیں محترمہ !'' اس نے بڑے ادب سے کہا۔ ''میرے ساتھی بھی مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں''

''فیٹی !'' فوزیہ نے دہرایا۔

'' جی ہاں''

''کیا یہ علاقہ کوہ شرجیل ہے۔'' فوزیہ اچانک پوچھ بیٹھی۔

'' مجھے علم نہیں'' فیٹی نے جواب دیا لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

''مجھے یوں محسوس ہوا ہے جیسے یہ فوجی کیمپ ہے فوزیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا'' اس کیمپ کا علم ہماری حکومت کو ہے۔''

''مجھے افسوس ہے محترمہ! میں کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس کے علاوہ میں آپ کی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میں آپ کو صبح بھی بتا چکا ہوں کہ آپ کے بستر کے قریب جو بٹن لگا ہوا ہے اسے دبا کر آپ مجھے ہر وقت طلب کرسکتی ہیں، جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو۔''

☆☆☆

پرمود نے سگریٹ کا آخری کش لے کر دھواں ناک سے نکالتے ہوئے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔ وہ جمال اور نواب چھٹن کے ساتھ گردوانہ پہنچ چکا تھا مگر نواب چھٹن اور جمال کو شائبہ تک نہ گزرا ہوگا کہ سعید خالد دراصل وہی سیاہ پوش ہے جس نے پہلی بار ان دونوں کو رانی منڈی کی عمارت میں موت کے منہ سے بچایا تھا اور اسی کی وجہ سے ٹرین میں دوسری بار موت ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی تھی۔

پرمود شالمی گڑھ سے ان کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ جب اسے ایس سیکشن کے آدمی سے رپورٹ ملی تھی کہ جمال نے رات کو روانہ ہونے والی بلگا رنیہ ایکسپریس میں دو آدمیوں کے لیے ریزرویشن کرایا ہے تو اس نے بھی فوراً سفر کی تیاری کر لی تھی۔ اسے یقین تھا کہ جمال کا یہ سفر معنی خیز ہے۔ گردوانہ کا نام سامنے آتے ہی اسے اصفہانی شاہ کے اس جنگل کا خیال آیا تھا جو گردوانہ سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پھر سفر شروع ہونے کے بعد دو ایسے آدمی پرمود کی نظر میں آئے تھے جنہوں نے بعد میں جمال اور نواب چھٹن کو ختم کرنا چاہا تھا۔ ان کی مشتبہ حرکات کی وجہ سے پرمود ان کی طرف توجہ دینے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے یہ بات بھی محسوس کی تھی کہ ان میں سے ایک آدمی جمال کی نظر سے بچا رہنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر پرمود کا اس شبہے میں پڑنا قدرتی بات تھی کہ وہ دونوں کا ڈرائیو وغیرہ کے ساتھیوں میں سے ہوں گے اور اب جمال کو ختم کرنے کی فکر میں ہیں۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ پرمود چوکنا ہو چکا تھا۔ یہ بات کسی طرح بھی ممکن نہ تھی کہ وہ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے وہ نہ صرف یہ کہ ناکام ہوئے تھے بلکہ ان کی گرفتاری بھی عمل میں آ گئی تھی۔ اگلے اسٹیشن پر ایک فون کر کے پرمود نے اس بات کا بندوبست کر دیا تھا کہ ملٹری پولیس ان دونوں کو ریلوے پولیس سے اپنی تحویل میں لے لے۔

گردوانہ آ کر ایک ہوٹل میں دو کمرے حاصل کر لیے گئے تھے۔ یہاں کوئی اچھا ہوٹل نہیں تھا لیکن بہر حال سر چھپانے کے لیے انہیں کوئی جگہ تو ڈھونڈنا ہی تھی، جو کچھ بھی ملا اسے صبر شکر کے ساتھ قبول کر لیا۔ جمال نے اپنے اس پروگرام کا اظہار کیا تھا کہ جنگل میں خرگوش کا شکار کھیلا جائے -وہاں اسی قسم کا چھوٹا موٹا شکار ملتا تھا۔ پوچھ گچھ کرنے پر پتا چلا کہ اصفہانی شاہ کے جنگل میں شکار کھیلنے کی اجازت نہیں ہے البتہ اس جنگل کا ایک قطعہ ایسا بھی ہے جو اصفہانی شاہ کی ملکیت نہیں۔ وہاں لوگ شکار کھیل لیتے ہیں مگر اس کے لیے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہے۔

پرمود کے لیے اس کا اجازت نامہ حاصل کرنا ذرا بھی دشوار نہ ہوتا لہٰذا اس نے جمال سے کہہ دیا کہ وہ اس کا بندوبست ایک گھنٹے میں کر لے گا۔

طے یہ پایا تھا کہ پرمود جا کر اجازت نامہ حاصل کر لے اور جمال نواب چھٹن کو اپنے ساتھ لے کر کرائے کی جیپ لینے چلا جائے۔ یہ طے پانے کے بعد پرمود نے محکمہ جنگلات کی راہ لی تھی اور وہ دونوں کرائے کی جیپ لینے چلے گئے تھے لیکن وہ دونوں ابھی واپس نہیں ہوئے تھے اور پرمود اجازت نامہ لے کر ہوٹل واپس پہنچ چکا تھا۔ ڈائننگ ہال میں بیٹھے بیٹھے اس نے چائے بھی پی لی اور ایک سگریٹ بھی ختم کر لی۔ پھر وہ دوسرا سگریٹ جلانے والا تھا کہ جمال اور نواب چھٹن آ گئے۔

ان سے گفتگو کے بعد طے پایا کہ دوپہر کا کھانا کھا کر روانہ ہو جائے۔ فوراً ہی ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دے دیا گیا۔ کھانے کے دوران میں نواب چھٹن نے اپنے دادا جان مرحوم کے شکار کے قصے چھیڑ دیے جو سو فیصد گپ معلوم ہوتے تھے۔ جمال اور پرمود ہنستے رہے۔ کھانا کھانے کے بعد ان لوگوں نے چائے پی، پھر اپنے اپنے کمرے میں جا کر ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں لیں اور ہوٹل سے روانہ ہو گئے۔ پرمود کو جیپ بہت پسند آئی تھی۔ اس نے خود ڈرائیونگ سنبھالی۔ پندرہ میل کا فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے کر کے وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔

''ذرا آگے چلیے مسٹر سعید! پہلے یہ تو دیکھیں کہ یہ جنگل کتنا بڑا ہے'' جمال بولا

''ضرور'' پرمود نے کہا۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ جمال اس جنگل میں داخل ہونا چاہتا ہے جو اصفہانی شاہ کی ملکیت تھا۔ اب پرمود کو یقین آ چکا تھا کہ جمال نے اصفہانی شاہ اور ابن حکیم کی گفتگو سنی تھی اس کا تعلق اصفہانی شاہ کے جنگل ہی سے تھا۔ جنگل کا تقریباً ڈھائی میل کا ٹکڑا ختم ہونے کے بعد کی جگہ جھاڑیوں اور درختوں سے صاف تھی۔ اس صاف جگہ کی چوڑائی سو ڈیڑھ سو گز ضرور ہوگی۔ اس کے بعد پھر جنگل شروع ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درمیانی جگہ کے درخت وغیرہ جان بوجھ کر صاف کیے گئے تھے تاکہ جنگل کے دونوں حصوں میں باسانی تمیز کی جا سکے۔ اس خالی جگہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر ممنوعہ علاقہ لکھا ہوا تھا۔

''میرا خیال تو یہ ہے کہ اسی حصے میں چل کر شکار کھیلا جائے، لطف رہے گا'' جمال بولا

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!'' پرمود نے حیرت ظاہر کی ''وہ اصفہانی شاہ کا جنگل ہے۔ بغیر اجازت وہاں شکار کھیلنا جرم ہوگا''

''میں آپ کو بتا چکا ہوں مسٹر سعید کہ میں کالج کا طالب علم ہوں۔ ہم لوگوں کی ایکٹیوٹیز کچھ اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ آپ فکر مت کیجیے۔ ادھر ہی نکال لے چلیے جیپ کو۔ اگر کوئی نگراں وغیرہ مل گیا تو اس سے میں بھگت لوں گا''

''آپ جائیے'' پرمود نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا ''میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی دانشمندانہ اقدام نہ ہوگا''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں'' نواب چھٹن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ چپ رہیے نواب صاحب!'' جمال نے اسے گھور کر دیکھا۔

پرمود نے جیپ ممنوعہ علاقے کی طرف بڑھا دی لیکن وہ تشویش میں ضرور پڑ گیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ جمال کا یہ طریقہ کار غلط ہوتا۔ جمال نے بندوق سیدھی کر لی اور شکار کی تلاش میں چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔

''میں ایک بار پھر کہوں گا مسٹر جمال کہ یہاں شکار نہ کھیلیں'' پرمود بولا ''فائر کی آواز دور تک جائے گی اور جنگل کے نگراں دوڑے چلے آئیں گے۔ ہاں اتنا ضرور ہو سکتا ہے کہ ہم یہاں بس تفریح کرتے رہیں۔ شکار واپس اسی دوسرے حصے میں کھیلیں''

''اچھا!'' جمال نے ہنس کر کہا ''اگر آپ کہتے ہیں تو میں شکار نہیں کھیلوں گا۔ آپ کو خدشہ ہے کہ فائر کی آواز نگرانی کرنے والوں کو اس طرف متوجہ کر دے گی لیکن....'' جمال اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر چونک پڑا۔

پرمود بھی اس کے چونکنے کی وجہ سمجھ گیا۔ سامنے سے ایک جیپ ان کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

''اب مشکل ہو جائے گی'' پرمود بڑبڑایا

دفعتہً جمال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک شرارتی سی لکیر کھنچ گئی اور پھر بولا۔ ''اچھا اب آپ بالکل چپ رہیے گا۔ میں ان لوگوں سے نمٹ لوں گا۔ نواب تم بھی بالکل چپ رہنا۔ بس ایسے بن جانا جیسے گونگے ہو''

''یار خاں صاحب! تم ضرور مجھے مرواؤ گے'' نواب چھٹن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر وہ جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگا لیکن بہت ہی مدھم آواز میں۔ جیپ کے آدمیوں میں ایک مونچھوں والا تھا۔ اس نے جمال وغیرہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ آپ کو بورڈ دکھائی نہیں دیئے جن پر ممنوعہ علاقہ لکھا ہوا ہے''

دوسرے ہی ثانیے نواب چھٹن بری طرح بوکھلا کر جمال کی طرف دیکھنے لگا کیونکہ مونچھوں والے کی بات کے جواب میں جمال کے منہ سے عجیب اوٹ پٹانگ آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ پھر جب وہ چپ ہوا تو مونچھوں والا اور اس کے ساتھی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے

''یہ کون سی زبان بول رہا ہے!'' ان میں سے ایک حیرت سے بولا

''نہ جانے کیا بکواس ہے'' مونچھوں والا بڑبڑایا

اب تک کی باتیں بلگارنوی زبان میں ہوئی تھیں۔ دفعتہً مونچھوں والے نے جمال کی طرف دیکھتے ہوئے کرازیلین میں کہا ''تم کون سی زبان میں بول رہے ہو۔

جواب میں جمال نے پھر اوٹ پٹانگ بکواس جھاڑ کر رکھ دی اور اشارے سے یہ بھی سمجھانا چاہا کہ مونچھوں والے کی زبان نہیں سمجھ سکتا پھر اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا ''اربانیہ''

''اوہ!'' مونچھوں والے کا ایک ساتھی طویل سانس لے کر بولا ''یہ لوگ اربانیہ کے باشندے ہیں۔ ہم وہاں کی زبان کیا خاک سمجھیں گے''

''پھر اب کیا ہو'' مونچھوں والا بڑبڑایا ''یہ ہماری زبان بھی نہیں سمجھ سکتے۔ بورڈ بھی اس لیے نہیں پڑھ سکے ہوں گے کہ وہ ہماری زبان میں لکھے ہیں یا کرازیلین میں''

''اشارے سے سمجھاؤ کہ یہ واپس چلے جائیں کیونکہ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔''

جمال اس دوران میں ان کی صورتیں تکتا رہا۔ پرمود دل ہی دل میں اس کی اداکاری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے جمال کی اس مضحکہ خیز چالاکی پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔ نواب چھٹن معاملے کو سمجھ نہ سکا اس لیے بالکل بیوقوف نظر آنے لگا تھا۔ بہرحال پھر کسی نہ کسی طرح مونچھوں والے نے اشاروں میں جمال کو اپنی بات سمجھائی اور جمال نے بھی ایسا ظاہر کیا کہ جیسے وہ ان کے اشارے سمجھ گیا ہو اور پھر اس نے اپنی جیپ موڑ لی۔

مونچھوں والے کی جیپ ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ وہ اس جگہ تک آئی جہاں ممنوعہ علاقے کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ مونچھوں والے نے جمال کو اپنی طرف متوجہ کر کے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ جواب میں جمال نے اپنے چہرے پر مایوسی کے تاثرات ابھار کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ بورڈ پر لکھی ہوئی زبان نہیں سمجھ سکتا۔ ☆

-پھر مونچھوں والے کی جیپ واپس چلی گئی اور جمال نے اپنی جیپ بڑھائی اور جب وہ لوگ دور ہو گئے تو جمال نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ پرمود بھی ہنسنے لگا اور جمال نے نواب چھٹن کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ''دیکھا سالوں کو کیسا بیوقوف بنایا''

نواب چھٹن اپنے کندھے پر ہاتھ پڑتے ہی اچھل پڑا اور کندھا سہلاتے ہوئے کہا ''یار خاں صاحب ذرا آہستہ مارا کرو نا''

''واقعی مسٹر جمال!'' پرمود بولا ''آپ نے اس وقت ثابت کر دیا کہ آپ کالج کے طالب علم ہیں''

''لیکن اگر نگرانی اتنی سخت ہوتی ہے تو آگے جانے کے لیے کیا سبیل نکلے گی۔'' جمال بڑبڑایا۔

''مگر آگے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' پرمود بڑبڑایا۔

''اوں!'' جمال چونک پڑا۔ اب اسے خیال آیا کہ سعید کے سامنے یہ بات نہیں کہنا چاہیے تھی۔

پرمود پھر بولا ''ہم لوگوں کو شکار کھیلنے کے لیے یہ چھوٹا جنگل بھی کافی ہے''

''ہاں، ہاں بالکل کافی ہے'' جمال نے جلدی سے کہا ''اور کیا ہم یہیں شکار کھیلیں گے''

اور پھر وہ دو تین گھنٹے تک شکار کھیلتے رہے۔ پرمود نے دو خرگوش مارے۔ جمال نے بھی دو خرگوشوں کا شکار کیا۔ رہ گئے نواب چھٹن تو انہیں بندوق ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ جنگل ہی میں انہوں نے چاروں خرگوش بھون کر کھائے اور پھر واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جمال سوچ چکا تھا کہ وہ آج رات کو جنگل میں داخل ہو گا تاکہ چھپتا چھپاتا آگے جا سکے۔ اس کے سر پر دھن سوار ہو گئی تھی کہ اس جنگل

میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کا حال معلوم کر کے رہے گا۔ راستے میں یہ طے پایا کہ دوسرے دن شہر کی تفریح کی جائے گی۔ ہوٹل پہنچ کر پرمود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نواب چھٹن اور جمال نے اپنے اپنے کمرے کی راہ لی اور اطمینان سے بیٹھنے کے بعد جمال بولا

''کیا سمجھے نواب صاحب''

''کس بارے میں۔''

''جنگل میں ضرور کچھ ہو رہا ہے ورنہ وہ لوگ جیپ پر گشت کرتے نہ پھرتے۔ خیر آج رات کو چھپ چھپا کر جنگل میں گھوما جائے گا''

''بھائی خاں صاحب! اب بھی باز آ جاؤ۔ مرنے کے اور بھی سو ڈھنگ ہیں۔ گولی سے مرنا کوئی شریفانہ موت نہیں ہوتی''

''پروامت کرو۔ آج رات میں تنہا جاؤں گا''

''کیوں، کیوں۔''

''اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس قسم کے کام تنہا آدمی زیادہ بہتر طریقے پر انجام دے سکتا ہے''

نواب چھٹن کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔☆

☆☆☆

بلگارنوی سیکرٹ سروس کے گردوانہ سینٹر کا انچارج اپنے سامنے کھڑے ہوئے نوجوان سے کہہ رہا تھا ''میجر عقیل! آج صبح ہمیں ہیڈ کوارٹر سے اطلاع دی گئی تھی کہ ڈی، سیکشن کا ایک ایجنٹ کسی خاص کام سے گردوانہ پہنچ چکا ہے اور کسی وقت بھی ہم سے کسی قسم کی مدد طلب کر سکتا ہے۔ ایجنٹ کا نمبر ڈی، فورٹین بتایا گیا تھا۔ آخر ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے اس کا ایک پیغام مل ہی گیا۔ اس نے آج رات نو بجے شہر سے باہر جو پرانے کھنڈرات ہیں، وہاں ایک موٹر سائیکل مانگی ہے جو واٹر کول انجن کی ہونا چاہیے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ موٹر سائیکل لے کر کسی تیز طرار آدمی کو بھیجا جائے چنانچہ اس کام کے لیے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ واٹر کول انجن کی موٹر سائیکل تمہارے پاس موجود ہے چنانچہ تم ٹھیک نو بجے مقررہ جگہ پر پہنچ جانا۔''

''بہت بہتر''

''اب تم جا سکتے ہو، اور ہاں! تمہارے پاس ٹو زیرو ایم کا ٹرانسمیٹر بھی ہونا چاہیے''

میجر عقیل سلام کر کے کمرے سے نکل آیا۔ وہ خوش تھا کہ آج اسے ڈی سیکشن کے ایک ایجنٹ سے ملاقات کرنے کا موقع مل سکے گا۔ اس نے ڈی سیکشن اور ڈی ایجنٹوں کے بارے میں عجیب عجیب کہانیاں سن رکھی تھیں۔ ان کہانیوں کو سن سن کر اس کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ڈی ایجنٹ عجیب الخلقت انسان ہوتے ہوں گے۔

نو بجنے میں کچھ وقت باقی تھا جب وہ موٹر سائیکل پر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ ٹو زیرو ایم کا ٹرانسمیٹر اس کی جیب میں موجود تھا۔ وہ اس رفتار سے موٹر سائیکل چلاتا رہا کہ صحیح وقت پر ڈی ایجنٹ تک پہنچ سکے۔ راستے میں وہ سوچ رہا تھا کہ ڈی ایجنٹ کی شکل تو وہ ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ڈی ایجنٹ سیاہ رنگ کے چست لباس میں ہوتے ہیں۔ چہرے کی نقاب بھی جلد سے چپکی ہوتی ہے جس کی وجہ سے بادی النظر میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی سیاہ فام آدمی کا چہرہ ہے۔ میجر عقیل یہی سوچتا ہوا منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ ابھی نو بجنے میں ایک منٹ باقی تھا۔ کھنڈر ڈیڑھ دو سو گز میں پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی وہاں کوئی الو اپنی مکروہ آواز میں چیخ پڑتا تو خاموشی زیر و زبر ہو جاتی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میجر عقیل نے موٹر سائیکل کا انجن بند کر دیا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف کے اندھیرے میں دیکھ رہا تھا کہ ایک سایہ اسے اپنی

طرف بڑھتا نظر آیا لیکن وہ بالکل قریب آنے کی بجائے کچھ فاصلے ہی پر رک گیا تھا۔

''ڈی، فورٹین پلیز!'' میجر عقیل نے بلند آواز میں کہا۔

فوراً ہی وہ سایہ پھر حرکت میں آیا اور دوسرے ہی ثانیے وہ اس کے قریب کھڑا تھا، سرتاپا سیاہی میں ڈوبا ہوا۔

''میں میجر عقیل ہوں۔ میں واٹر کول انجن کی موٹر سائیکل لے کر آیا ہوں اور میرے پاس ٹو زیرو ایم کا ٹرانسمیٹر بھی ہے۔'' عقیل نے کہا۔

'' ٹھیک ہے، پیچھے بیٹھو۔ موٹر سائیکل میں چلاؤں گا'' ڈی ایجنٹ نے اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں کہا۔

میجر عقیل فوراً پیچھے سرک گیا اور ڈی ایجنٹ نے کک مار کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ واٹر کول انجن ہونے کی وجہ سے آواز بس اتنی تھی کہ اسے چند ہی گز تک سنا جا سکتا تھا۔ موٹر سائیکل طوفانی انداز میں راستہ طے کرنے لگی۔ میجر عقیل کے دونوں گھٹنے ڈی فورٹین کے پہلوؤں سے لٹکے ہوئے ہولسٹروں سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ڈی، فورٹین اسے کہاں لے جائے گا۔ چند منٹ بعد موٹر سائیکل جنگل میں داخل ہوگئی اور میجر عقیل نے بڑی حیرت سے سوچا کہ جنگل میں آنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جنگل اصفہانی شاہ کی ملکیت ہے۔

جنگل میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ڈی، فورٹین نے رفتار کم کر دی تھی جس کی وجہ سے انجن کی مدھم آواز اور کم ہوگئی۔ پانچ چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ڈی، فورٹین نے اچانک موٹر سائیکل روک دی۔ اب وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ چند ثانیے بعد اس نے موٹر سائیکل کو ذرا سا بائیں جانب گھماتے ہوئے آگے نکالا۔ ایک گھنی جھاڑی کے قریب پہنچ کر وہ پھر رکا۔

موٹر سائیکل کا انجن بند کرتا ہوا بولا ''اترو''

میجر عقیل اتر گیا۔ ڈی فورٹین نے موٹر سائیکل کو تھوڑا سا اور آگے لے جا کر اس کا پہیہ جھاڑی میں داخل کر دیا۔ پھر وہ بھی اتر آیا۔

اس نے موٹر سائیکل کھڑی کر دی اور پھر میجر عقیل سے بولا ''میں تنہا آگے جا رہا ہوں۔ تم یہیں رکو گے۔ اگر کوئی دکھائی دے جائے تو اس کی نظر سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اس سلسلے میں جھاڑیاں بہت کارآمد ہوں گی۔ ٹو زیرو ایم کا ٹرانسمیٹر تمہارے پاس موجود ہے۔ میری دوسری ہدایات تمہیں اس پر ملیں گی''

''بہتر ہے لیکن کیا آپ موٹر سائیکل نہیں لے جائیں گے۔''

''نہیں اچھا'' ڈی فورٹین نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔

جلد ہی اس کا سیاہ وجود رات کی سیاہی میں تحلیل ہو چکا تھا۔ میجر عقیل نے ایک طویل سانس لیا اور سوچا کہ ٹو زیرو ایم کے ٹرانسمیٹر پر اپنے سینٹر کو اب تک کے واقعے کی رپورٹ دے دے۔

☆☆☆

گو کہ موٹر سائیکل کے انجن کی آواز بہت مدھم تھی لیکن پرمود نے اچانک فیصلہ کیا تھا کہ اب اسے پیدل ہی آگے جانا چاہیے۔ جنگل حشرات الارض کی سیٹیوں سے گونج رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن کوئی چار فرلانگ چلنے کے بعد پرمود چونک پڑا۔ اب اسے مدھم مدھم سی ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے دور کہیں بم پھٹ رہے ہوں۔ پرمود غور سے ان آوازوں کو سننے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا آج رات راجیشیائی طیارے کسی جگہ بھرپور حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

ذرا دیر رک کر اسے اندازہ ہو گیا کہ آوازیں کس سمت سے آ رہی تھیں اور پھر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ آوازیں کوہ شرجیل کی طرف سے آ رہی تھیں اور پرمود کے خیال کے مطابق وہاں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں راجیشیائی طیارے حملہ کر سکتے۔ تو پھر وہ دھماکے کیسے تھے۔

پرمود نے تیزی سے بڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے وہ بڑھ رہا تھا، آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی پرمود کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آج دن میں اس نے جمال کی حرکت سے اندازہ کر لیا تھا کہ اس جنگل سے کوئی خاص راز وابستہ ہے۔ اسی وجہ سے جمال نے شکار کے بہانے اس جنگل کو کھنگالنا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ ممکن ہے جمال اب کچھ اور سوچتا، کوئی دوسرا قدم اٹھاتا لیکن پرمود اب اس کا انتظار نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے خود ہی فوری ایکشن لینے کا فیصلہ کیا تھا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ وہ پراسرار دھماکے اسے احساس دلا رہے تھے کہ وہ بہت جلد کسی بہت بڑے راز سے آگاہ ہونے والا ہے۔

اب وہ دوڑنے کی حد تک تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ اسی طرح اس نے دو میل کے قریب راستہ طے کر لیا۔ اب وہ دھماکے اسے بالکل صاف سنائی دے رہے تھے۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ دھماکوں میں تسلسل نہیں ہے۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے سنائی دے رہے تھے۔ مزید ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے گولیاں چلنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ اب ان گنت سوالات اس کے ذہن میں گونج رہے تھے لیکن فی الحال وہ کوئی حتمی اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ دفعتہً اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عجیب سی بے چینی اس کی رگ رگ میں پھیل گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اسے وہ دن یاد آیا جب وہ پہلی بار اس قسم کی کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔ اس تجربے کا خیال آتے ہی پرمود نے سوچا کہ وہ کسی خطرے سے قریب پہنچ گیا ہے۔ پہلی مرتبہ اس کی یہ کیفیت جب ہوئی تھی جب ایک بہت بڑا خطرہ پیش آنے والا تھا۔

پرمود کی نظر تیزی سے چاروں طرف گردش کرنے لگی۔ اندھیرے میں کیا خاک نظر آتا لیکن اندھیرا سماعت پر نظر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ پرمود کو ایسی آہٹیں سنائی دیں جیسے کچھ لوگ قریب آتے جا رہے ہوں۔ پرمود تیزی سے ایک قریبی درخت سے چپک کر کھڑا ہو گیا اور اس طرف دیکھتا رہا جدھر سے وہ آوازیں آ رہی تھیں۔ ذرا ہی دیر بعد دو آدمیوں کے سائے نظر آئے۔ ان کے پاس رائفلیں تھیں۔ وہ ٹہلتے ہوئے آ رہے تھے۔

''کہیں بیٹھ کر کچھ دیر آرام کر و یار!'' ایک آواز سنائی دی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس علاقے میں ہم لوگوں کی ڈیوٹی لگانا کیا معنی رکھتا ہے۔ سیکنڈ بارڈر پر جن لوگوں کی ڈیوٹی ہے، وہ ٹھیک ہے، کیونکہ وہاں تک دھماکوں کی آوازیں صاف سنائی دیتی ہیں۔ اگر یہاں تک کوئی آ گیا تو وہ ان آوازوں کو تو سن ہی لے گا۔''

''اسی لیے تو ہم لوگوں کو حکم ہے کہ جسے بھی دیکھو فوراً گولی مار دو۔ سیکنڈ بارڈر والوں کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ وہ جسے بھی ادھر آتے دیکھیں گے اسے ممنوعہ علاقے کا احساس دلا کر واپس کر دیں گے۔''

پرمود نے پرمعنی انداز میں سر ہلاتے ہوئے سوچا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سیکنڈ بارڈر پر پہرہ دینے والوں کی نظر سے بچ کر نکل آیا ہے۔ وہ دونوں آدمی باتیں کرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔ اس نے پھر تیزی سے بڑھنا شروع کیا لیکن اب وہ زیادہ محتاط ہو چکا تھا۔ دھماکوں اور گولیاں چلنے کی آوازیں قریب آتی چلی جا رہی تھیں۔ دو مرتبہ پھر ایسا ہوا کہ پہریداروں کی ٹولیاں نظر آئیں اور پرمود کو ان کی نظروں سے بچ کر نکلنا پڑا۔ اب اس نے احتیاطاً ایک ریوالور ہاتھ میں لے لیا تھا۔

دفعتاً اس نے اپنے سر پر گڑگڑاہٹ کی آواز سنی اور چونک کر اوپر دیکھا۔ وہ ایک طیارہ تھا جو تیزی سے نیچے ہوتا چلا گیا۔ پرمود کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کچھ فاصلے پر جنگل ہی میں کسی جگہ اتر گیا۔ وہ ہیلی کوپٹر تو تھا نہیں کہ اسے ہر جگہ اتارا جا سکتا۔ تو پھر؟ کیا وہاں ہوائی اڈا موجود تھا؟

جلد ہی پرمود کے ذہن کو اس سوال کا جواب اثبات میں مل گیا۔ وہ ہوائی اڈا کافی بڑا تھا۔ ایک طرف چودہ طیارے قطار سے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ طیارہ جو ابھی وہاں اترا تھا، رن وے پر نظر آیا۔ اس کے قریب کئی سائے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ طیارہ جہاں کھڑا تھا اس

کے قریب ہی دومنزلہ عمارت تھی۔ شاید وہ اس ہوائی اڈے کے کنٹرول ٹاور کا کام دیتی ہو۔ پرموداس عمارت کے پہلو کی دیوار سے چپکا طیارے کے قریب حرکت کرنے والے سایوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں سوالات کی بھرمار ہوگئی تھی۔ ہوائی اڈا، اس پر کھڑے ہوئے طیارے اور یہ عمارت! دھماکوں کی آوازیں، گولیاں چلنے کا شور اور جنگل کے گرد پہرا! آخر یہ سب کیا تھا۔

طیارے کے پاس نظر آنے والا متحرک سائے اب قریب آتے جارہے تھے۔ پرمود کا خیال تھا کہ وہ لوگ اس دومنزلہ عمارت میں داخل ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ عمارت کے برابر میں سے نکلے چلے گئے۔ اس وقت پرمود سے ان کا فاصلہ چند گز تھا مگر ان کی نظریں دیوار سے چپکے ہوئے پرمود پر نہیں پڑسکیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمارت سفید کی بجائے کسی ایسے گہرے رنگ کی تھی کہ اندھیرے کی وجہ سے سیاہ معلوم ہو رہی تھی -اپنے سیاہ لباس کی وجہ سے پرمود دیوار کی سیاہی سے مل گیا تھا۔

جب وہ لوگ چند گز کے فاصلے سے گزر رہے تھے تو پرمود نے ایک آواز سنی تھی ''میٹنگ شروع ہونے میں ابھی کتنی دیر ہے۔''

''پندرہ منٹ باقی ہیں'' جواب دیا گیا تھا۔

میٹنگ کے بارے میں پوچھنے والی آواز پرمود کی جانی پہچانی تھی۔ وہ بے اختیار چونک پڑا۔ وہ آواز اصفہانی شاہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہوسکتی تھی۔ پرمود نے اسے کئی جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ آگے نکل گئے اور پرمود کے ذہن میں بگولے سے چکرانے لگے۔ کچھ شبہات اس کے ذہن میں کلبلانے لگے تھے۔ وہ ان لوگوں کے تعاقب میں لگ گیا۔

وہ پانچ سات منٹ تک اندھیرے میں چلتے رہے اور اس کے بعد پرمود پر حیرت کا دوسرا حملہ ہوا جب اس نے بیرکوں کی قطار بنی دیکھی۔ بیرکوں کے پاس ایک چھوٹی سی عمارت اور تھی۔ پھر ان سے کچھ فاصلے پر ایک دومنزلہ عمارت بھی نظر آئی۔ اصفہان شاہ اور اس کے ساتھیوں کا رخ اسی دومنزلہ عمارت کی طرف تھا۔

دروازے پر کھڑے ہوئے پہریدار نے ایڑیاں بجا کر فوجی انداز میں سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ لوگ اندر چلے گئے۔ پہریدار نے دروازہ بند کیا اور رائفل اپنے کندھے پر رکھ کر گشت کرنے لگا۔

کچھ فاصلے پر چھپا ہوا پرمود یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ اسے کسی نہ کسی طرح عمارت میں داخل ہونا ہے تاکہ معلوم کرسکے کہ وہاں ہونے والی میٹنگ کا مقصد کیا ہے۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بیرکوں یا دونوں عمارتوں کے کسی حصے سے روشنی کی ایک باریک سی کرن بھی باہر نہیں آرہی تھی۔ جنگل کے کسی حصے سے دھماکوں اور گولیوں کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں لیکن اب پرمود کی توجہ ان کی طرف سے ہٹ کر اس عمارت کی طرف مبذول ہوچکی تھی جس کے کسی کمرے میں ایک اہم میٹنگ شروع ہونے والی تھی۔

وہ زمین پر سانپ کی طرح رینگتا ہوا عمارت کے کونے تک پہنچ گیا اور یہاں سے دیوار سے چپکا ہوا دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اب اس کا انداز کسی ایسی چھپکلی کا سا تھا جو رک رک کر آہستہ آہستہ اپنے شکار کی طرف بڑھ رہی ہو۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اس پہریدار کو 'شکار' کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ تو صرف عمارت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

پہریدار تمام خدشات سے بے نیاز گشت کرتا رہا۔ بارہ قدم وہ دروازے کی بائیں طرف چلتا تھا اور بارہ قدم دائیں طرف۔ گویا ایک رخ پر چوبیس قدم چلنے کے بعد وہ واپس ہوتا تھا اور چوبیس ہی قدم چلنے کے بعد پھر پلٹتا تھا۔ اگر پرموداسے ختم کردیتا تو ممکن تھا کہ وہاں کا کوئی آدمی اس طرف آنکلتا یا عمارت ہی سے کوئی باہر آیا تو پہریدار کو غائب پاکر ہنگامہ کھڑا کردیتا۔ یہی سوچ کر پرمود نے پہریدار کو ختم کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

رینگتے رینگتے وہ دروازے سے تقریباً بیس قدم دور رہ گیا اور پھر جس جگہ تھا وہیں چپک کر ساکت وصامت ہوگیا۔ اس وقت پہریدار اسی

کی طرف آ رہا تھا۔ جب وہ دروازے کے سامنے سے گزرا تو پرمود نے اس کے قدم گننا شروع کیے۔ بارہ قدم پورے کرنے کے بعد پہریدار کو واپس ہونا تھا لیکن اس کا تیرھواں قدم بھی اٹھ گیا۔ پرمود کے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ پہریدار نے یہ حرکت اپنے معمول کے خلاف کی تھی۔ پھر اس کا چودھواں قدم بھی اٹھ گیا۔ اگر وہ اسی طرح بڑھتا چلا آتا تو پرمود کا اس کی نظر میں آ جانا یقینی بات تھی۔ پرمود نے اسے ٹھکانے لگانے کے لیے خود کو پوری طرح تیار کر لیا۔ اگر پہریدار اسے دیکھ لیتا تو اسے ختم کرنا ناگزیر ہو جاتا۔

پتا نہیں پہریدار اس مرتبہ کس جھونک میں تھا کہ اس کا پندرھواں قدم بھی اٹھ گیا لیکن پھر اس نے وہیں ایڑیاں بجائیں اور واپس ہو گیا۔ اب پرمود کے جسم میں اطمینان کی لہریں دوڑ گئیں۔ اس نے تاریکی میں ادھر ادھر نظر دوڑائی اور اچانک کھڑا ہو گیا۔ اب وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا تیزی سے پہریدار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر پرمود نے رفتار کم کر دی اب وہ پہریدار سے دو قدم پیچھے اسی کی رفتار سے چل رہا تھا۔ یہ پہریدار کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور خود کو یقینی موت سے بچا لیا۔ وہ دروازے کے سامنے سے آگے نکل گیا تا کہ بارہ قدم پورے کرنے کے بعد پھر پلٹے لیکن پرمود دروازے ہی پر رک چکا تھا۔ اس کا ہاتھ ہینڈل پر پہنچ گیا۔ دروازہ اس نے بڑی آہستگی سے کھولا تھا۔ پہلے تو ایک بار جھانک کر اندر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ عمارت کے اندر تھا۔

پہریدار جب واپس ہوا تو دروازہ بند تھا اور اندر کھڑا ہوا پرمود سوچ رہا تھا کہ پہلے کس طرف جائے۔ دائیں بائیں زینے بنے ہوئے تھے۔ زینوں کے برابر میں راہداری تھی۔ سامنے ایک بڑا سا دروازہ تھا۔ یہاں روشنی بہت مدھم سی تھی جو زینوں کے اوپر سے آ رہی تھی۔

پرمود نے پہلے اوپری منزل دیکھنے کا فیصلہ کیا اور تیزی سے بائیں جانب کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ زینوں کے اختتام پر راہداری تھی جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ستون بنے ہوئے تھے۔ دائیں طرف کی دیوار میں کمروں کے دروازے تھے۔ پرمود نے ایک دروازے سے کان لگا دیے اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اس وقت کسی ایسے ہرن کی طرح چونکنا تھا جسے علم ہو کہ شکاری اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

کسی وقت بھی کوئی راہداری میں آ سکتا تھا۔ دروازے کی دوسری طرف سے کسی قسم کی آواز نہ آئی تو پرمود دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا لیکن ابھی اس نے دروازے سے کان نہیں لگائے تھے کہ زینے کی طرف سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی گنگناتا ہوا اوپر آ رہا تھا۔ پرمود لپک کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ پرمود ستون کی آڑ لیے رہا۔ جیسے جیسے آہٹ قریب آتی جا رہی تھی پرمود ستون کے گرد اپنی پوزیشن بدلتا جا رہا تھا تا کہ جب آنے والا ستون سے آگے نکلے تو پرمود ستون کی دوسری طرف پہنچ چکا ہو۔

جب وہ آگے نکل گیا تو پرمود نے ستون کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ وہ آدمی ہاتھ میں ٹرے لیے جا رہا تھا۔ جس وقت وہ ستون کے قریب سے گزر رہا تھا تو پرمود نے کافی کی خوشبو محسوس کی تھی۔ آگے جا کر وہ آدمی راہداری میں دوسری طرف گھوم کر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ دوسرے ہی ثانیے پرمود لپکتا ہوا اس کی طرف جا رہا تھا۔ موڑ پر رک کر وہ دیوار سے چپک گیا اور پھر اس نے دوسری طرف جھانکا۔ وہ آدمی راہداری کے آخری کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ پرمود پھر لپکا اور دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ پرمود نے دروازے پر کان لگا دیے اور اسی وقت اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی

”سنو فیٹی! کیا تم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ میں یہاں کب تک قید رہوں گی۔“

”آپ یہاں قید تو نہیں ہیں۔ آپ باہر بھی جا سکتی ہیں اور.....“

”میں بچہ نہیں ہوں کہ تم مجھے اس قسم کی باتوں سے بیوقوف بناؤ“ بڑے تیز لہجے میں بات کاٹتے ہوئے کہا گیا تھا۔

جواب میں کچھ نہیں کہا گیا۔

نسوانی آواز پھر سنائی دی ''کیا یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ میرا کوئی پیغام ڈیڈی تک پہنچا دیا جائے۔''

''اصفہانی شاہ صاحب کچھ دیر قبل یہاں آ چکے ہیں''

''کیا!'' نسوانی آواز میں حیرت کا عنصر شامل تھا۔

اس کے ساتھ ہی پرمود چونک پڑا۔ تو کیا یہ فوزیہ کی آواز ہے۔ مگر اسے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔ کیا قید کرنے والا خود اصفہانی شاہ ہو گا۔

اب کمرے میں مردانہ آواز آ رہی تھی ''وہ یہاں ایک میٹنگ کے لیے پہنچے ہیں اور اس وقت اسی منزل کے ایک کمرے میں ہیں۔ ممکن ہے وہ میٹنگ کے بعد آپ سے ملاقات کریں''

''ہوسکتا ہے یہ ان کے پروگرام میں شامل نہ ہو اس لیے میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دو کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں''

''بہت بہتر۔ کیا اب مجھے اجازت ہے۔''

''جاؤ''

پرمود تیزی سے بڑھ کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ اب اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ میٹنگ اوپر کی ہی منزل کے کسی کمرے میں ہے۔

☆☆☆

اسی منزل کے ایک بڑے کمرے میں ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے سب آدمی فوجی وردیوں میں ملبوس تھے اور ان میں سے کوئی بھی کرنل سے کم عہدے کا نہیں تھا۔ صرف اصفہانی شاہ کے جسم پر فوجی وردی نہیں تھی۔ وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔

''جی ہاں'' ایک فوجی آفیسر اصفہانی شاہ کی طرف دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''حالات کا یہ نیا موڑ ہمیں آنے والے خطرات کا احساس دلا رہا ہے۔ آپ کے بنگلے کے سامنے رہنے والے نوجوان جمال کی وجہ سے جو ہنگامہ ہوا اس کا علم آپ کو بھی ہے۔ حالات یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی نامعلوم ہستی جمال اور اس کے کالج کے ساتھی کی مدد کر رہی ہے۔ رانی منڈی کی عمارت کے کمرے میں جب آگ لگائی گئی تھی تو نتیجے سے دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ آتشزدہ کمرے کی کھڑکی سے نکل کر دوسری کھڑکی تک جانے والے دو نہیں بلکہ تین آدمی تھے اور وہ تیسرا کوئی کالا آدمی تھا۔ اب کل رات کا واقعہ بھی سن لیجیے کہ جمال اور اس کا ساتھی شالی گڑھ سے گرد وانہ کے لیے روانہ ہوئے تھے چنانچہ انہیں ختم کرنے کے لیے دو آدمیوں کو روانہ کیا گیا لیکن وہ نہ صرف یہ کہ اپنے مقاصد میں ناکام رہے بلکہ ملٹری پولیس کی حراست میں پہنچ چکے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارا کوئی بھی آدمی ایسا نہیں رہ گیا جو جمال اور اس کے ساتھی کو پہچانتا ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ دونوں اس وقت کہاں ہوں گے لیکن آپ یہ کام نہیں کر سکتے کہ اسے ڈھونڈتے پھریں۔ اس کا گرد وانہ آنا بھی ہمیں خطرات کا احساس دلا رہا ہے۔ غرضیکہ حالات بڑے غیر یقینی ہو چکے ہیں اور اگر اب دیر کی گئی تو سارا پلان تباہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ گو کہ ابھی ہماری تیاریاں مکمل ہونے میں ایک ہفتہ باقی ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے انتظار کرنا بھی ہمارے کیے دھرے پر پانی پھیر سکتا ہے۔''

''تو پھر؟'' اصفہانی شاہ نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں اپنا آپریشن اب سے چھ گھنٹے بعد یعنی پانچ بجے شروع کر دینا چاہیے''

''اتنی جلدی۔''

''اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا''

''لیکن میرا سارا خاندان شالی گڑھ میں ہے'' اصفہانی شاہ نے پریشان ہوکر کہا ''کیا حکومت انہیں نظر انداز کر دے گی؟''

''یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا''

''اور یہ بھی ممکن نہیں کہ میں انہیں چھ گھنٹے کے اندر شالی گڑھ سے نکال لاؤں''

''میں نے صورت حال آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ اگر آپریشن چھ بجے تک شروع نہ کر دیا گیا تو پھر شاید کچھ بھی نہ ہوسکے۔ جہاں تک مجھے علم ہے شالی گڑھ میں آپ کے خاندان کے جو لوگ ہیں، وہ آپ کے قریبی رشتے دار نہیں۔ جو خونی رشتہ تھا، یعنی آپ کی بیٹی تو وہ اپنے غلط انداز فکر کی وجہ سے گوشہ عافیت میں پہنچ چکی ہے اور اس عمارت میں موجود ہے۔ رہ گئے آپ کے باقی اعزیز تو انہیں نظر انداز کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ آپ کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حکومت آپ کے ان عزیزوں کو پھانسی تو دینے سے رہی۔ وہ ان سے پوچھ گچھ کرے گی اور انہیں نظر بند رکھے گی۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ پھر کچھ عرصے بعد جب اس ملک میں آپ کو مکمل کامیابی نصیب ہوگی تو وہ سب آپ سے مل جائیں گے''

اصفہانی شاہ بدستور پریشان نظر آتا رہا۔

''جلدی فیصلہ کیجیے مسٹر اصفہانی'' وہی آفیسر بولا ''ہمیں جلد از جلد فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنا ہے''

''لیکن.....'' اصفہانی شاہ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا آپ ابھی کہہ چکے ہیں کہ تیاریاں مکمل ہونے میں ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ ایسی صورت میں تو منصوبے کی ناکامی کا وسیع امکان ہوگا۔

اسی وقت دوسرا آفیسر بول پڑا ''ایسا نہیں ہے مسٹر اصفہانی! تیاریوں میں ایک ہفتے کی جو کمی ہے وہ اتنی اہم نہیں کہ موجودہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر ہم اسے نظر انداز نہ کر سکیں۔ اب میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ وہ کمی کیا ہے۔ جیسا آپ کو معلوم ہے کہ اس منصوبے کے لیے تین ہزار کی فوج تیار کرنا تھی۔ دو ہزار آٹھ سو آدمیوں کی تربیت مکمل ہو چکی ہے اور دو سو آدمی باقی ہیں۔ ان کی تربیت مکمل ہونے میں ایک ہفتہ لگتا لیکن موجودہ صورت حال کے پیش نظر ان کی تربیت مکمل نہ ہو سکے گی''

''لیکن....'' ایک تیسرا آفیسر بول پڑا ''....میرے انسٹرکٹرز اس کمی کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ گولیاں چلنے اور دھماکوں کی جو آوازیں آپ سن رہے ہیں، وہ دراصل انہی دو سو آدمیوں کی جنگ کی تربیت دی جا رہی ہے۔ ہنگامی حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے حکم دیا تھا کہ ان کی تربیت کا کام آج ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہنا چاہیے۔ میرے انسٹرکٹرز نے وعدہ کیا ہے کہ تربیت کا پیریڈ مکمل نہ ہونے کے باوجود وہ ان دو سو آدمیوں کو ایسا ضرور کر دیں گے کہ منصوبے کی تکمیل کے سلسلے میں وہ بالکل عضو معطل ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ ان سے کچھ نہ کچھ کام لیا جا سکے''

''ہوں'' اصفہانی شاہ نے پرخیال انداز میں سر ہلایا اور پھر کہا ''منصوبے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی تو نہیں کی گئی۔''

''جی نہیں'' ایک اور آفیسر بولا ''منصوبہ بالکل وہی ہے۔ اس وقت ہمارے پاس ساٹھ ٹرک ہیں جو بیرکوں سے ایک فرلانگ دور تیار کھڑے ہیں۔ فوج کے چند منٹ کے نوٹس پر انھیں روانگی کے لیے تیار کر لیا جائے گا۔ مقررہ وقت پر وہ ٹرک فوج لے کر یہاں سے روانہ ہوں گے۔ ایک ہزار فوج گردوانہ کے لیے مخصوص ہے اور دو ہزار گڑھی پور کے لیے۔ صبح ٹھیک پانچ بجے ہمارے طیارے یہاں سے اڑ کر گردوانہ اور گڑھی پور کے ہوائی اڈوں اور دوسرے فوجی مقامات پر زبردست بمباری کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری فوج ان دونوں شہروں میں داخل ہو جائے گی۔ اہم ناکوں پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ اوہ! میں خوانخواہ تفصیل میں جا رہا ہوں۔ مختصر یہ کہ ہمارا منصوبہ اتنا جامع ہے کہ سات بجے تک ان دونوں شہروں پر ہمارا قبضہ مکمل ہو جائے گا۔ گردوانہ میں ہماری آزاد حکومت کے دارالحکومت کے پہلے سربراہ کی حیثیت سے آپ گردوانہ ریڈیو سے تقریر کریں گے''

اصفہانی شاہ اب تک الجھن میں نظر آ رہا تھا۔ اسے اپنے خاندان والوں کی فکر تھی جو شالی گڑھ میں تھے۔ جیسے ہی بلگارنوی حکومت کو اصفہانی شاہ کی بغاوت کا علم ہوتا اس کے خاندان کے تمام افراد حراست میں لے لیے جاتے۔ لیکن اصفہانی شاہ نے اقتدار کے لالچ میں ان سب کو داؤ پر لگا دیا اور ایک طویل سانس لے کر بولا ”اچھی بات ہے، آپ لوگ آپریشن کی تیاری کریں“

”تیاری تو تقریباً مکمل ہے مسٹر اصفہانی! ہمارے جہاز اس وقت بموں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کی مشین گنوں میں میگزین فل ہے، صرف ہوابازوں کی کمی ہے۔“

اصفہانی شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک خفیف سی لکیر کھنچ گئی لیکن وہ سب اس بات سے بے خبر تھے کہ بائیں جانب والی کھڑکی کی دوسری طرف کھڑے ہوئے سائے نے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر پہنچتے ہی وہ سایہ کھڑکی سے غائب ہو گیا۔

اسی وقت میز پر رکھے ہوئے ایک ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ایک آفیسر نے ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولا ”ہیلو ہاں کہو اوہ! کون ہے ہوں ہوں اچھا تم اسے فوراً اوپر بھیج دو“

آفیسر نے ریسیور رکھ دیا اور بلند آواز میں بولا ”سیکنڈ بارڈر پر ایک آدمی کو گرفتار کیا گیا ہے جو بہت دھیمی رفتار میں جیپ چلاتا ہوا جنگل میں گھستا چلا آ رہا تھا۔ سیکنڈ بارڈر کے پہریداروں کو حکم ہے کہ وہ اس طرف آنے والوں کو واپس کر دیا کریں مگر اس آدمی کو اس شبہے میں گرفتار کیا گیا ہے کہ وہ بھٹک کر ادھر نہیں آیا تھا بلکہ جان بوجھ کر کسی خاص مقصد سے جنگل میں داخل ہوا تھا۔ وہ جیپ کو اتنی کم رفتار سے چلا رہا تھا کہ اس کے انجن کی آواز زیادہ دور تک نہ پھیل سکے۔ گرفتار کرنے کے بعد جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کی جیب سے اسلامک کالج کا ایک کارڈ برآمد ہوا۔ اس پر اس کی تصویر موجود تھی اور اس کا نام جمال لکھا تھا۔

☆☆☆

وہ سایہ جو کھڑکی کی دوسری طرف تاریک سی جگہ پر کھڑا میٹنگ کی گفتگو سنتا رہا وہ میجر پرمود کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ جیسے ہی اصفہانی شاہ نے منصوبے کو فوری طور پر بروئے عمل لانے پر مبارک باد دی، ویسے ہی پرمود کھڑکی سے ہٹ آیا۔ اب اسے انتہائی برق رفتاری سے حرکت میں آ جانا تھا۔ اسے اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے ملک کے خلاف ہونے والی اس سازش کے پرخچے اڑانا تھے۔

اوپری منزل سے نیچے جانے کے لیے اسے اس کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا جہاں فوزیہ قید تھی۔ اچانک پرمود کچھ سوچ کر اس کے دروازے پر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھ کر دروازے پر دستک دی۔ اس کا خیال تھا کہ دروازہ اندر سے بند ہوگا لیکن فوزیہ کی آواز فوراً سنائی دی ”آ جاؤ“

پرمود دروازے کو دھکا دیتا ہوا تیزی سے کمرے میں داخل ہوا اور تیزی ہی سے دروازہ بند بھی کر لیا۔ فوزیہ شب خوابی کے لباس پر گون پہنے شاید کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ ایک سیاہ پوش کو اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس کے منہ سے چیخ نہیں نکلی۔

”مجھے اپنا دوست سمجھو“ پرمود نے مدھم سرگوشی کی ”تم فوزیہ ہو نا“

”مم مگر تم......“

”بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تمہیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟“

”میں نے اپنے باپ کے نظریے سے اختلاف کیا تھا“ فوزیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

پرمود نے ایک بار پلٹ کر دیکھا اور پھر پہلے ہی کی سی مدھم آواز میں بولا ”پوزیشن ایسی ہے کہ تمہیں یہاں سے نکال کر نہیں لے جا سکتا

۔بس اتنا بتانے کے لیے تمہارے کمرے میں آ گیا ہوں کہ اگر کوئی بڑا ہنگامہ ہو تو اس عمارت سے نکل کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہاری وجہ سے کوشش کروں گا کہ اس عمارت پر آنچ نہ آنے پائے۔ یہاں تم محفوظ رہو گی لیکن اگر تم نے گھبرا کر یہاں سے نکل کر بھاگنا چاہا تو اپنی ہلاکت کا سبب بنو گی۔ بس اب میں جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو!" اچانک فوزیہ نے کہا اور بے اختیارانہ انداز میں ایک قدم اس کی طرف بڑھ آئی۔ اس کی نظر پرمود کے ہولسٹروں پر جمی ہوئی تھی۔

"جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے"

"تم نے ابھی کہا تھا کہ تم میرے دوست ہو" فوزیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کیا تم میری مدد نہیں کرو گے۔"

"میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا"

"میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم اپنا ایک ریوالور مجھے دے جاؤ"

"ریوالور! کیوں؟"

"ہو سکتا ہے میں کسی وقت اس کی ضرورت محسوس کروں"

پرمود نے چند ثانیے کچھ سوچا اور بائیں ہولسٹر سے ریوالور کھینچ کر فوزیہ کی طرف بڑھا دیا "لو رکھو، اچھا خدا حافظ!"

"خدا حافظ! لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ کیا تم حکومت کو....."

"میں سب جانتا ہوں اور حکومت ہی کا آدمی ہوں"

پرمود کمرے سے نکل کر پنجوں کے بل دوڑتا ہوا زینے کی طرف بڑھا اور تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔ بیرونی دروازے پر رک کر اس نے آہٹوں پر کان لگا دیے۔ جب اس نے محسوس کیا کہ پہریدار دروازے کے سامنے سے گزر کر بائیں طرف جا چکا ہے تو وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر پہنچا اور آہستگی سے بند کر کے دائیں طرف لپکا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ ٹھیک اسی وقت زمین پر لیٹ گیا جب پہریدار پلٹا تھا۔

وہ رینگتا ہوا عمارت کے کونے پر پہنچ گیا۔ یہاں وہ رکا، اور ٹو زیرو ایم ٹرانسمیٹر نکال کر مدھم آواز میں میجر عقیل کو کال کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پرمود مختصر طور پر اسے وہ سب کچھ بتانے لگا جس کا اسے علم ہوا تھا۔ کیمپ پر تاریکی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پرمود نے چند آدمیوں کے سائے دیکھے جو عمارت کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پرمود نے میجر عقیل کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد کہا " تم اپنے سینٹر کو اس صورت حال سے آگاہ کر دو اور سینٹر والوں کو چاہیے کہ وہ یہ اطلاعات بلا تاخیر شالمی گڑھ بھیج دیں"

گفتگو ختم کرنے کے بعد پرمود نے ٹرانسمیٹر کو احتیاط سے رکھ لیا۔ اب وہ تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جہاں ہوائی اڈا تھا۔ ہوائی اڈے پر پہلے ہی کی سی خاموشی طاری تھی۔ وہ طیارہ جو اصفہانی شاہ کو لے کر آیا تھا اب چودہ طیاروں کی قطار میں کھڑا ہوا تھا۔ پرمود ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ چند منٹ بعد اس نے ایک بار پھر میجر عقیل سے رابطہ قائم کیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ عقیل نے سینٹر کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا یا نہیں۔ دراصل پرمود کو یہ خدشہ تھا کہ سینٹر کو اطلاع دینے سے پہلے ہی عقیل کسی خطرے سے دوچار نہ ہو جائے۔ اس صورت حال میں وہ اطلاع وہیں کی وہیں رہ جاتی۔ لیکن میجر عقیل نے اطلاع دی کہ وہ سینٹر کو صورت حال سے آگاہ کر چکا ہے۔

"ٹھیک" پرمود نے ٹرانسمیٹر میں کہا "اب تم واپس چلے جاؤ میجر عقیل! موٹر سائیکل اپنے ساتھ لے جانا۔ یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ تم موٹر سائیکل میرے لیے چھوڑ کر واپس نہ چلے جاؤ۔ اچھا اوور اینڈ آل"

فضا پر اب گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دھماکوں اور گولیوں کی آواز اب سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ پرمود درخت کی آڑ میں کھڑا اس سازش پر غور کرتا رہا جو بڑی ذہانت سے ترتیب دی گئی تھی۔ اگر حکومت کو اس کا علم نہ ہوتا تو اس سازش کی کامیابی میں کوئی شبہ نہ ہوتا۔ گردوانہ اور گڑھی پور کے عوام اس انقلاب کو بڑی خوشی سے قبول کر لیتے۔ ان لوگوں کی وجہ سے باغی فوج کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوتی کیونکہ ان دونوں شہروں کے عوام اصفہانی شاہ کو پسند کرتے تھے۔ اپنے دورِ اقتدار میں اصفہانی شاہ نے ان دونوں شہروں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود گردوانہ کا رہنے والا تھا اور اس کی بیوی گڑھی پور میں پیدا ہوئی تھی۔

لیکن پرمود کو یقین تھا کہ اب یہ سازش تکمیل تک نہ پہنچ سکے گی۔ وہ اپنی حکومت کو اس سے باخبر کر چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ جلد ہی بلگارنوی فضائیہ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے کوہ شرجیل کی فضاؤں میں پہنچ جائے گی۔ تاریکی ہونے کی وجہ سے خدشہ تھا کہ بلگارنوی ہوا باز دشمن کا کیمپ نہیں دیکھ سکیں گے اس لیے پرمود نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بلگارنوی فضائیہ کا آپریشن اپنی رہبری میں کرائے گا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ دشمن ہی کا ایک جہاز چرا کر فضا میں پہنچ جائے گا۔

ہوائی اڈے کے گرد چند سنتریوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا اس لیے پرمود کو جہازوں تک پہنچنے میں دشواری نہ ہوئی۔ بیس منٹ گزر گئے۔ اب پرمود کو یقین تھا کہ بلگارنوی فضائیہ کے طیارے وہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے چنانچہ وہ زمین پر لیٹ کر رینگتا ہوا ہوائی اڈے کی طرف بڑھا۔ ہوائی اڈے کی زمین برف بنی ہوئی تھی اور اس کے گرد پہرا دینے والے سنتری ہر خطرے سے بے نیاز تھے۔ ان کے لاشعور میں تو یہ بات جمی ہوئی ہو گی کہ ان کا کوئی دشمن وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ پرمود اس جہاز کے قریب پہنچ گیا جو سب سے آگے کھڑا تھا۔ اس کا رخ رن وے کی طرف تھا۔ اس طیارے کی ساخت بھی باقی سب طیاروں سے مختلف تھی۔

دفعتہً ایک سنتری کی گونجدار آواز سنائی دی ”کون ہے۔“

چشم زدن میں پرمود کا ریوالور اس کے ہولسٹر سے باہر آ چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، ایک سنتری اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ پرمود کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور سنتری کی چیخ سناٹے میں لہرا گئی۔

☆☆☆

کمرے میں اس کے اور اصفہانی کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اصفہانی شاہ نے ریوالور نکال لیا تھا جس کی نال جمال کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ غالباً اسے خدشہ ہوگا کہ جمال اس پر حملہ نہ کر بیٹھے۔

”تمہیں زبان کھولنا ہی پڑے گی جمال!“ اصفہانی شاہ اسے گھورتا ہوا کہہ رہا تھا ”تم بتاؤ گے کہ تم کیا کیا جانتے ہو اور وہ کون ہے جو اس معاملے میں تمہارا مددگار بنا ہوا ہے۔“

”تم جیسے غدار میری زبان نہیں کھلوا سکتے“ جمال نے حقارت سے کہا۔

”مت بھولو کہ میں تمہیں گولی بھی مار سکتا ہوں“ اصفہانی شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔

”گولی سے تم جیسے لوگ خوفزدہ ہو سکتے ہیں۔ کوئی وطن پرست خوفزدہ نہیں ہو سکتا“ جمال نے کہا۔

وہ اس فکر میں تھا کہ موقع ملتے ہی اصفہانی شاہ پر جھپٹ پڑے لیکن اصفہانی شاہ بہت ہوشیار نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور فوزیہ داخل ہوئی۔

''جمال!'' وہ چیخ پڑی۔

جمال اسے دیکھ کر خفیف سا مسکرایا۔

اس وقت فوزیہ نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ جمال نے محسوس کیا کہ فوزیہ کی آنکھوں میں نفرت جھانک رہی تھی۔

''فوزی!'' اصفہانی شاہ بولا ''تم جمال کو سمجھاؤ کہ یہ میری باتوں کا جواب دے دے۔ میں اس سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں''

''اگر آپ کے سوالوں کا جواب دینے سے جمال کی وطن پرستی پر حرف آتا ہو تو اسے ہرگز آپ کے سوال کا جواب نہیں دینا چاہیے'' فوزیہ نے ترش لہجے میں کہا۔

''فوزی! بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ کل صبح کا سورج تمہیں ایک فرمانروا کی بیٹی کی حیثیت سے دیکھے گا''

''کاش وہ وقت آنے سے پہلے مجھے موت آجائے تاکہ میں یہ نہ سن سکوں کہ لوگ مجھے ایک وطن فروش کی بیٹی کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں''

''تمہارا دماغ اب تک درست نہیں ہوا'' اصفہانی شاہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

'' میرا دماغ درست ہے لیکن مجھے آپ کے دماغ کے بارے میں شبہ ہے'' فوزیہ نے تیز لہجے میں کہا۔

'' فوزی!'' اصفہانی شاہ گرجا۔

'' اب میں اس گرج سے نہیں ڈر سکتی'' فوزیہ نے بے پروائی سے کہا ''پہلے کی بات اور تھی جب اس گرج میں باپ کا پیار جھلکتا تھا مگر آج اس گرج میں ایک غدار کی فطرت کا گھناؤنا غرور جھلک رہا ہے''

اصفہانی شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اچانک جمال کو خدشہ ہوا کہ اگر فوزیہ اسی طرح ترکی بہ ترکی جواب دیتی رہی تو اصفہانی شاہ غصے میں آکر اسے گولی مار دے گا۔

''سنو اصفہانی شاہ!'' جمال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا ''تم اس وقت فوزیہ سے بات نہ کرو۔ اس وقت یہ تمہاری بیٹی نہیں، صرف ایک وطن پرست لڑکی ہے۔ یہ تمہیں جواب دیتے وقت کسی قسم کے ادب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھے گی اس لیے تم مجھ سے بات کرو۔ میرے کڑوے الفاظ تمہاری انا کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے''

''پہلے میں تمہی کو گولی ماروں گا'' اصفہانی شاہ دانت پیستا ہوا بولا ''میری لڑکی کو ورغلانے والے تمہی ہو''

فوزیہ جھپٹ کر جمال کے آگے کھڑی ہو گئی۔ اس کی پیٹھ جمال کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ وہ سینہ تان کر کھڑی ہو گئی۔

''جمال سے پہلے یہ گولیاں میرے سینے میں پیوست ہوں گی''

''تم ہٹ جاؤ فوزیہ!'' جمال نے آہستہ سے کہتے ہوئے اسے اپنے سامنے سے ہٹانا چاہا۔

''نہیں!'' فوزیہ کے لہجے میں سختی آ گئی ''جمال اگر تم نے میری آڑ سے نکلنے کی کوشش کی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کم از کم میرے ساتھ یہ خود غرضی نہ دکھاؤ کہ وطن کی راہ میں خون کا پہلا قطرہ تمہارا ہے''

''فوزیہ!'' جمال کی آواز میں لرزش تھی ''کیا اس طرح تم بھی خود غرضی کا ثبوت نہیں دے رہی ہو''

''نہیں! میں تاریخ کو بتانا چاہتی ہوں کہ ایک بیٹی بھی وطن کے لیے اپنے باپ کی گولی کا نشانہ بن سکتی ہے''

''سامنے سے ہٹ جاؤ فوزی!'' اصفہانی شاہ پھر گرجا۔

'' فوزیہ کہہ کر مخاطب کرو اصفہانی شاہ!'' فوزیہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''فوزی کہہ کر تو میرا باپ مجھے مخاطب کرتا تھا جو

اقتدار کی قبر میں جا سویا ہے"

"میں جمال سے پہلے تجھ کو بھی گولی مار سکتا ہوں"

"میں تمہیں خوب سمجھ چکی ہوں اصفہانی شاہ! تم اپنے وطن کے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہو، اپنی ماں کا جسم کاٹ ڈالنا چاہتے ہو تو پھر میں کیا چیز ہوں گولی چلاؤ اصفہانی شاہ! میرا خون ایک عجیب تاریخ لکھنے کے لیے بے چین ہے"

"اچھا تو پھر جمال سے پہلے تم ہی جاؤ" اصفہانی شاہ نے غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں فائر کر دیا۔

گولی فوزیہ کے سینے پر پڑی اور اس کے جسم نے خفیف سا جھٹکا کھایا۔ وہ کراہ کر گرنے لگی تھی کہ جمال نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"فوزیہ!" جمال کی آواز کانپ گئی تھی۔

لیکن وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ گرتے گرتے فوزیہ کا داہنا ہاتھ اس کے گون کی جیب میں پہنچ چکا تھا۔

اصفہانی شاہ غصے سے ہانپ رہا تھا اور اس کی نظر بھی فوزی ہی کی طرف تھی۔ دفعتہً فوزیہ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر وہ چونک پڑا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی چیز کی آڑ لینے کی کوشش کرتا فائر ہو چکا تھا۔ گولی اصفہانی شاہ کے پیٹ میں لگی۔

"غدار!" فوزیہ کے منہ سے نکلا۔

پھر اس کے ریوالور کے فائر ہوتے ہی چلے گئے۔ دو مرتبہ نشانہ خطا گیا تھا لیکن چار گولیاں اصفہانی شاہ کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں۔ ہر گولی لگنے پر اصفہانی شاہ کے جسم نے جھٹکا کھایا تھا۔ اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں شاید موت کے خوف سے پھیل گئیں۔ چار گولیاں کھانے کے بعد وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

دوسری طرف فوزیہ بھی فرش پر گر چکی تھی اور جمال بے تحاشا اس پر جھک گیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت ایک خوفناک دھماکے سے فضا کانپ گئی اور پھر چاروں طرف سے بھاگنے دوڑنے کا شور اٹھا لیکن جمال کو شاید احساس بھی نہ ہو سکا۔ اس نے فوزیہ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا تھا۔ وہ ابھی زندہ تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا فوزی!" جمال نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"جو میرا فرض تھا جمال!" فوزیہ نے رک رک کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"فوزی!" جمال کی آواز رندھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"فوزی تم تو کہا کرتی تھیں کہ مجھے وطن پرستی کا جنون ہے لیکن تم مجھ سے بھی آگے نکل گئیں"

☆☆☆☆☆

ختم شد

☆☆☆☆☆